عمرو کا انجام

عُمرو کا انجام

داستان طِلسم ہوش رُبا

حصّہ دہم

اختر رضوی

صنعت کا خاتمہ

داستان کا نواں حصّہ اس مقام پر ختم ہوا تھا:

صرصر طلِسم کی لوح شہزادہ اسد کے پاس سے چُرا لاتی ہے۔ افراسیاب لوح کو خفیہ طور پر برفاب جادُو کے پیٹ میں چھُپا دیتا ہے۔ برفاب کے جسم میں لوح کے اثرات پیدا ہوتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اس کے مشیر سمجھ جاتے ہیں کہ لوح اُس کے جسم میں چھُپا دی گئی ہے۔ وہ اُسے مشورہ دیتے ہیں کہ اب افراسیاب اور باغیوں کی لڑائی کا سارا دارومدار اسی لوح پر ہے۔ باغیوں کو پتا چل گیا کہ لوح تیرے جسم میں پوشیدہ ہے تو اُن کے عیّار کسی نہ کسی بہانے تُجھے مار ڈالیں گے۔ خیریت اسی میں ہے کہ قصرِ نیل میں چھُپ کر بیٹھ جا۔ برفاب جادُو اس مشورے کے مطابق دریائے نیل کے

نیچے بنے ہوئے طلِسمی محل میں جا کر چھُپ جاتا ہے۔

اس کے بعد کے حالات یوں ہیں:

افراسیاب کو لوح کی حفاظت کے بارے میں اِطمینان ہو گیا تو وہ باغیوں کے خاتمے کی طرف متوجہ ہوا۔ ملکہ حیرت باغیوں کے سامنے پڑاؤ ڈالے پڑی تھی۔ لوح کے محفوظ ہو جانے کی خبر پا کہ اس نے افراسیاب کو لکھا۔ ”اب دوستوں کے حوصلے بُلند ہو جائیں گے اور دُشمنوں کے پست۔ کسی ایسے سردار کو جنگ کے لیے بھیجیے کہ دُشمنوں کو سنبھلنے کی مُہلت نہ ملے۔“

یہ خط پا کر افراسیاب دربار میں وزیروں سے صلاح کر رہا تھا کہ جنگ کے لیے کسے بھیجا جائے کہ اتنے میں خبر ملی کہ ملکہ صنعت سحر ساز زبردست فوج کے ساتھ آ پہنچی ہے اور حاضر ہونے کی اجازت چاہتی ہے۔ افراسیاب نے اُس کو عزّت و احترام سے بُلا بھیجا۔ صنعت وہی ہے جسے طلِسمِ نُور افشاں سے آ کر طلِسمی تحفوں مدد سے عُمرو نے شکست دے دی تھی۔ اس وقت تو وہ میدانِ جنگ سے اپنی بچی کھچی فوج کے ساتھ اپنے ملک چلی گئی تھی مگر

شکست کا بدلہ لینے کے لیے دِن رات تیّاریاں کرتی رہی تھی۔ اب اس نے نہ صرف پہلے سے زیادہ بڑی فوج تیّار کر لی تھی بلکہ ایسے طِلسمی ہتھیار اور منتر بھی تیّار کر لیے تھے جِن کا توڑ اس کے خیال میں کوئی نہ کر سکتا تھا۔
افراسیاب کو اپنی فوج اور طِلسمی تحفے دِکھا کر اُس نے ضِد کی کہ اُسے باغیوں کے مقابلے کے لیے جانے کی اجازت دی جائے۔ افراسیاب کو اِطمینان ہو گیا کہ اب کی واقعی صنعت دُشمنوں پر قیامت ڈھائے گی۔ اس نے اجازت دے دی۔
صنعت اپنی فوج کے ساتھ اُڑتی ہوئی ملکہ حیرت کے پاس جا پہنچی۔ ہر طرف خبر پھیل گئی کہ صنعت بڑی تیّاریوں سے جنگ کے لیے آئی ہے۔ شہزادہ اسد نے اپنی فوج کا دل بڑھانے کے لیے زور دار تقریر کی۔ اس سے لشکر کے سرداروں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ وہ سب آن پر مر مٹنے کے لیے تیّار ہو گئے۔
دوسرے دن صنعت میدانِ جنگ میں اپنا طِلسمی مور اُڑتے ہوئے آئی اور مہ رُخ کے لشکر کو للکارتے ہوئے بولی۔ ”اے بد بختو! تمہاری تباہی کی

گھڑی آ پہنچی ہے۔ چاہوں تو ایک ہلّے میں تم سب کو موت کی گود میں سُلا دُوں۔ لیکن اپنی بے عزّتی کا بدلہ لینے کے لیے ایک ایک کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کروں گی۔ جس میں حوصلہ ہو، سامنے آ کر مُقابلہ کرے۔"

کچھ دیر مہ رُخ کے لشکر میں سنّاٹا چھایا رہا، پھر ملکہ فرمانیہ اس کے مُقابلے پر آئی۔ صنعت کے ایک ہاتھ میں خالی پنجرا تھا۔ فرمانیہ نے سامنے آ کر کہا۔ "بی صنعت! آج بڑی دُون کی لے رہی ہو۔ کیا خالی پنجرے پر دماغ خراب ہو رہا ہے؟"

صنعت نے جواب دیا۔ "پنجرے کے اندر پہنچو گی تو سب حال کھل جائے گا۔ جادو گری میں بڑا نام پیدا کیا ہے۔ ذرا اپنے منتر مُجھ پر تو چلا کر دیکھو۔"

ملکہ فرمانیہ نے غصّے میں آ کر پَے در پَے سات جادوئی لیموں صنعت پر کھینچ مارے۔ ہر لیموں پہاڑ کو سُرمہ بنا دینے کی طاقت رکھتا تھا لیکن صنعت نے کوئی ایسا منتر پڑھا کہ اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی سب جل کر راکھ ہو گئے۔

فرمانیہ نے آگ بگولا ہو کر اپنا سب سے خطرناک حربہ طلِسمی پھُلجھڑی نکالا

اور اُسے آگ لگا کر شُعلے برساتی ہوئی صنعت کی طرف لپکی۔ صنعت کے ایک ہاتھ میں طلِسمی چھڑی تھی۔ جیسے ہی فرمانیہ پھُلجھڑی لیے ہوئے اُس کے قریب پہنچی، صنعت نے آہستہ سے چھڑی ماری۔ پھُلجھڑی بُجھ کر زمین پر ِگر پڑی۔

فرمانیہ نے کوئی اور جادوئی ہتھیار نکالنے کے لیے جھولی میں ہاتھ ڈالا۔ اسی وقت صنعت نے پھُرتی کے ساتھ طلِسمی چھڑی اُس کے سر پر لگائی۔ فرمانیہ چوٹ کھاتے ہی زمین پر ِگری اور بُری طرح تڑپنے لگی۔ مہ رُخ کی فوج میں سے کُچھ نے فرمانیہ کو زخمی سمجھ کر اُس کی مدد کرنے کا ارادہ کیا۔ کچھ یہ سمجھے کہ وہ دھوکا دے رہی ہے۔ اچانک اُٹھ کر صنعت پر کوئی خوف ناک وار کرے گی۔ لیکن چند ہی لمحوں بعد دیکھنے والوں نے جو کچھ دیکھا اس سے اُن کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ فرمانیہ زمین پر تڑپتے تڑپتے کبوتر بن چکی تھی اور صنعت اسے پکڑ کر پنجرے میں بند کر رہی تھی۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے چالیس نامور سردار مہ رُخ کی فوج سے نِکل کر صنعت کے مقابلے پر آئے اور صنعت نے ان سب کو پرندہ بنا کر پنجرے میں بند کر

دیا۔

اندھیرا ہوا تو لڑائی کو دوسرے دن کے لیے ملتوی کر کے صنعت اپنی چھاؤنی میں واپس چلی گئی۔ مہ رُخ کی فوج پر اُس کی ہیبت طاری ہو گئی تھی۔ کوئی بھی سردار اس کے جادُو کا توڑ نہ جانتا تھا۔ مہتر قران، برق فرنگی، ضرغام اور جہاں سوز سے اپنے ساتھیوں کی یہ پریشانی نہ دیکھی گئی۔ چاروں عیّار یہ کہہ کر نکلے کہ ہم ابھی بہا کر صنعت کا کام تمام کرتے ہیں۔

آدھی رات گزرنے کے بعد وہ صنعت کے سپاہیوں کا بہروپ بھر کر اس کی چھاؤنی کے قریب جا پہنچے۔ یہ دیکھ کر ان کے حیرت کی انتہا نہ رہی کہ چھاؤنی کے اندر جگہ جگہ روشنی تو ہو رہی ہے مگر کِسی جگہ پہرے چوکی کا نام تک نہیں ہے۔ سپاہی اور افسر سب نیند کے مزے لے رہے ہیں۔ خیموں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ کوئی ایک سپاہی بھی کہیں گشت کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔

چھاؤنی کی حفاظت سے دُشمن کی اتنی لاپروائی دیکھ کر عیّار بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے خیال کیا کہ صنعت اپنی جادُوئی طاقت پر حد سے زیادہ

مغرور ہو چکی ہے۔ وہ بڑے جوش کے ساتھ چھاؤنی کی طرف لپکے۔ لیکن چند ہی قوم کے بڑھنے کے بعد مہتر قیران اچانک رُک گیا۔ اُسے رُکتا دیکھ کر دوسرے بھی ٹھہر گئے۔ مہتر قیران نے اُن سے کہا۔ ”مجھے دال میں کچھ کالا معلوم ہو رہا ہے۔ تم میں سے ایک اپنے لشکر میں جائے اور فوراً چند جاسوسوں کو لے کر واپس آئے۔“

برق فرنگی بھاگتا ہوا گیا اور چار جاسوسوں کو لے کر واپس آ گیا۔ مہتر قیران نے جاسوسوں کو حکم دیا۔ ”دُشمن کے خیموں میں جا کر دیکھو، وہ سو رہے ہیں یا غائب ہیں۔“

چاروں جاسوس ہوشیاری کے ساتھ آگے بڑھے۔ عیّار چھُپ کر انہیں دیکھنے لگے۔ دُشمن کی چھاؤنی کی حد چند ہی قدم کے فاصلے پر تھی۔ حد کا نشان چند انچ اُبھرے ہوئے لکڑی کے کھونٹے تھے۔ جو جاسوس بھی ان کھونٹوں کے قریب پہنچتا آناً فاناً بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑتا۔ یہ دیکھ کر مہتر قیران نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”صنعت نے اپنی چھاؤنی کے گرد طلِسمی حصار کھینچ دیا ہے۔ ہم جانے کی کوشش کریں گے تو جاسوسوں کی

طرح ہم بھی بے ہوش ہو جائیں گے۔ فی الحال واپس چلو۔ ممکن ہے ہمارا کوئی جادُوگر اس طلِسمی حصار کا کوئی توڑ نکال لے۔‘‘

عیّاروں نے بے ہوش جاسوسوں کو اپنی پیٹھوں پر لادا اور لشکر میں واپس آئے۔ اس کے بعد ہر روز دن کو صنعت میدانِ جنگ میں آتی اور چالیس پچاس سرداروں کو چڑیا بنا کر پنجرے میں بند کر کے لے جاتی۔ ہر رات عیّار نامور جادُوگروں کو ساتھ لے کر طلِسمی حِصار کو توڑنے کی کوشش کرتے مگر جیسے جاتے ویسے ہی لوٹ آتے۔ اِن باتوں نے مہ رُخ کی فوج میں بد دِلی پیدا کر دی۔

ساتویں دن صنعت نے تھوڑی سی جنگ کے بعد مہ رُخ، بہار، مخمور سمیت بچے کھچے سارے جادُوگر سرداروں کو بھی چڑیا بنا کر پنجرے میں بند کر دیا۔ واپس جاتے وقت اُس نے باغیوں کی حاکم ملکہ مہ جبین سے کہا۔ ’’تم ہمارے شہنشاہ کی بیٹی ہو۔ اب بھی وقت ہے کہ طلِسم کُشا کا ساتھ چھُوڑ کر واپس آ جاؤ۔ میں تمھیں شہنشاہ سے معافی دِلوا دوں گی۔ بس ایک ہفتے کا وقت دیتی ہوں عقل آ جائے تو ٹھیک ورنہ دردناک عذاب کے لیے تیّار

رہنا۔"

ملکہ مہ جبین نے صنعت کی اس تقریر کا کوئی جواب نہیں دیا۔ شہزادہ اسد بار بار جوش میں آکر صنعت کے مُقابلے کے لیے بڑھتا مگر مہ جبین اُسے روک دیتی۔ رات کو مہ جبین نے مشورے کی شاطر چند خاص لوگوں کا اجلاس بُلایا۔ خواجہ عُمرو، شہزادہ اسد اور دوسرے عیّار بھی اس میں شریک ہوئے۔

خواجہ عُمرو نے اب تک کچھ نہ کیا تھا۔ اس بار جب سے صنعت آئی تھی، یا تو وہ اپنے خیمے میں گھسے رہتے یا دربار میں آجایا کرتے۔ یہ بات سب کو بہت کھٹکتی تھا اور اب تو پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ سب چاہتے تھے کہ خواجہ آئیں اور صنعت کو ٹھکانے لگائیں لیکن ان کے کڑے تیور دیکھ کر کسی کو ہمّت نہ ہوئی کہ ان سے کچھ کہہ سکتا۔

اجلاس کے دوران شہزادہ اسد نے عُمرو کے شاگردوں پر خُوب خُوب لعن طعن کی اور کہا۔ "بس پتا چل گیا آپ لوگ کتنے پانی میں ہیں۔ اتنے دن گُزر گئے، پر صنعت کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ اب میں آپ کا ہر گز آسرا نہ

کروں گا۔ جان جائے یا رہے، اب کی صنعت آئی تو تلوار سے اُس کا مُقابلہ کروں گا۔"

مہتر قیران سے یہ جلی کٹی نہ سُنی گئی۔ تڑپ کر بولا: "شہزادے صاحب! خدا کی قسم ہم صرف طلِسمی حصار سے مجبور ہیں۔ آپ ہمیں کسی طرح حِصار کے اندر پہنچا دیجیے۔ پھر دیکھیے ہم کیا کرتے ہیں۔"

"بس بس رہنے دو۔" عُمرو نے مُنہ چڑاتے ہوئے کہا۔ "زیادہ شیخی مت بگھارو۔ جب حصار میں داخل نہیں ہو سکتے۔ تو اندر جا کر کیا تیر مار لو گے۔"

مہتر قیران کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ بولا۔ "حضور! آپ بے شک عیّاری میں اُستادِ زمانہ اور لاکھوں کروڑوں میں یگانہ ہیں مگر برا نہ مانیے گا، حصار آپ بھی نہ توڑ سکیں گے

"ابے نالائقو، مُجھے طعنہ دیتا ہے۔" عُمرو نے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔ "صنعت کے لیے لاکھوں حصار میری چُٹکی میں ہیں۔ اگر میں اپنی آئی پر آیا تو مجھے حِصار توڑنے کی بھی ضرورت نہ پیش آئے گی۔ صنعت خُود حصار ختم کر کے مجھے آنے کا راستہ دے دے گی۔ زمین پر ناگ رگڑنے کا وعدہ کرو تو

کل ہی تمھیں یہ کھیل دِکھادوں۔"

عُمرو کی اس بات سے تھوڑی دیر کے لیے اجلاس میں سنّاٹا چھا گیا۔ پھر مہتر قیران نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا اُستاد! ہم بھی آپ کو کل صبح تک طِلسمی حِصار میں داخل ہو کر دکھا دیں گے اور ناک رگڑنے کی بجائے آپ سے انعام لیں گے۔" یہ کہہ کر وہ عیّاروں کے ساتھ باہر جانے لگا۔ خواجہ عُمرو نے تاڑ لیا کہ ان کی بات سے وہ لوگ حِصار میں داخل ہونے کی ترکیب سمجھ گئے ہیں، ملکہ مہ جبین سے بولے۔ "اِن نالائقوں کو روکیے۔ میری ساری ترکیب چوپٹ کر کے رکھ دیں گے۔ صنعت کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اُلٹے مُصیبت میں پڑ جائیں گے۔"

شہزادہ اسد بیچ میں بول پڑا۔ "نانا جان! ہماری جان پر بنی ہوئی ہے مگر نہ خود آپ کچھ کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ اب انہیں جانے بھی دیجیے۔ ناکام رہے اور مُصیبت میں پڑ گئے تو اِطمینان رکھیے ہم آپ کو زحمت نہ دیں گے۔"

یہ سُن کر عُمرو غصّے میں بڑبڑاتا ہوا اپنے خیمے میں چلا گیا۔ مہ جبین نے

اجلاس برخاست کیا اور عیّاروں نے اپنی راہ لی۔

دوسرے دن سورج نِکلنے کے تھوڑی دیر بعد تین برہمن صنعت کی چھاؤنی کی طرف بڑھتے چلے جارہے تھے۔ ان میں سے دو ایک ارتھی (جنازہ) اُٹھائے ہوئے تھے۔ تیسرے کے ہاتھ میں گھی کی ہانڈی اور آگ تھی۔ جو برہمن ارتھی اُٹھائے ہوئے تھے وہ زور زور سے کہہ رہے تھے "رام رام ست ہے۔ ست نام ست ہے۔" تیسرا برہمن "ہائے بھائی! ہائے بھائی!" کہتا ہوا روتا جاتا تھا۔ تینوں کا رُخ اس مرگھٹ کی طرف تھا جو صنعت کی چھاؤنی کے حِصار کے اندر تھا۔

تینوں برہمن چھاؤنی کے قریب گئے تو دوسری طرف سے صنعت کے سپاہیوں نے للکارا۔ "خبردار! وہیں رُک جاؤ۔ چھاؤنی کے گرد طلِسمی حِصار ہے۔ آگے بڑھے تو بے ہوش ہو جاؤ گے۔" برہمن گھبرا کر رُک گئے۔ ارتھی کو زمین پر رکھ دیا اور رو رو کر چلّانے لگے۔ "سات پیڑھیوں سے ہمارے جنازے اِسی مرگھٹ میں جلائے جاتے ہیں۔ ہمیں راستہ دو۔ برہمن کی میّت کو روکو گے تو بھگوان کا کِرودھ (قہر) ٹوٹ پڑے گا۔"

سپاہیوں نے کہا۔ ”یہاں ملکہ صنعت کا ڈیرا ہے۔ مُردے جلانے کی اجازت نہ ملے گی۔ واپس چلے جاؤ یا حِصار کے باہر کِریا کرم کرو۔“

اس پر برہمن بگڑ گئے۔ کہنے لگے۔ ”کِس کی مجال ہے ہمیں مرگھٹ میں مُردہ جلانے سے روکے۔ جلدی سے جا کر ملکہ صنعت سے کہو کہ راستہ دے۔ ورنہ ہم اپنے جنیو توڑ ڈالیں گے۔“

جنیو توڑنے کی دھمکی سے سارے جادُوگر سپاہی ڈر گئے۔ ان میں سے کچھ بھاگے ہوئے صنعت کے پاس گئے اور اسے سارا قصّہ کہہ سُنایا۔

صنعت کچھ دیر خاموشی سے سوچتی رہی۔ پھر بولی۔ ”برہمن ہمارے دیوتا ہیں۔ ان کو ناراض کرنا ٹھیک نہیں۔ فکر بس یہ ہے کہ ان کے بھیس میں کہیں دُشمنوں کے عیّار نہ ہوں۔ بہرحال، جاؤ اور برہمنوں سے کہو، میں لاش کو خُود دیکھوں گی، یہ بات وہ مان جائیں تو حِصار توڑ دوں گی۔“

برہمن لاش دکھانے پر راضی ہو گئے۔ صنعت نے حِصار توڑ کر انہیں حکم دیا کہ ارتھی کو مرگھٹ کے درخت کے نیچے لے جا کر رکھیں۔ برہمن صنعت کو دعائیں دیتے ہوئے بولے۔ ”حضور، اب ہمیں مُردہ جلانے کے

لیے لکڑیاں بھی سرکار سے ملیں۔"

صنعت نے برہمنوں کی یہ بات مان لی۔ ایک طرف لکڑیاں چن کر چتا بنائی جانے لگی، دوسری طرف ارتھی درخت کے نیچے بنادی گئی۔ صنعت اپنی جادُوگر کنیزوں کے ساتھ درخت کے نیچے پہنچی اور برہمنوں سے بولی:

"لاش کا کفن ہٹاؤ۔"

برہمن کان پکڑا کر رام رام کرنے لگے، بولے۔ "لاش کی یہ بے حُرمتی ہم سے نہ ہو گی۔ آپ خود کفن کو ہاتھ لگائیں۔"

صنعت کی تیوروں پر بل پڑ گئے۔ مگر پھر برہمنوں سے تکرار کو مناسب نہ جانتے ہوئے لاش پر جھک کر کفن کے بند کھولنے لگی۔ کمر کا بند کھولا، سر کا بند کھولا، پیر کا بند کھولا۔ اس کے بعد اُس نے میّت کے مُنہ سے کفن ہٹایا ہی تھا کہ لاش کی دونوں ٹانگوں نے اس کی گردن کو جکڑ لیا۔ پھر فوراً ہی لاش کا ایک ہاتھ ہوا میں بُلند ہوا جس میں تیز دھار والا خوف ناک خنجر چمک رہا تھا۔ فوراً ہی اس ہاتھ نے صنعت پر خنجر کا بھرپور وار کیا۔ لیکن اس سے پہلے ہی صنعت بجلی کی طرح ترپ کر اُوپر کو اُڑ چکی تھی۔ وار خالی گیا۔

مُردے نے کھڑے ہو کر نعرہ بُلند کیا۔ ”منم مہتر قیران۔“ دوسرے برہمن بھی نعرہ لگانے لگے۔ ”منم برق فرنگی، منم ضرغام شیر دل۔ منم جاں سوز بن قیران۔“

نعروں کے ساتھ ہی سارے عیّاروں نے کمند کے گچھے بنا کر صنعت پر پھینکے۔ صنعت ان پھندوں میں پھنس کر نیچے گری۔ عیّار خنجر نکال کر چاروں طرف سے اُس پر جھپٹ پڑے۔ صنعت پھر زور لگا کر ہوا میں اُڑ گئی۔ کمند کے حلقے ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے بدن سے الگ ہو گئے۔ عیّاروں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ صنعت پر ان کا زور نہ چل سکے گا۔ یہ خیال کر کے وہ صنعت کی کنیزوں پر ٹوٹ پڑے۔ پہلے ہی وار میں چار جادُوگرنیاں ماری گئیں۔ ان کے مرنے سے اندھیرا پھیل گیا۔ عیار اس اندھیرے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ سمجھتے تھے کہ طلِسمی حِصار تو صنعت توڑ ہی چکی ہے، باہر نِکل جائیں گے۔ مگر یہ اُن کی بھُول تھی۔ انہیں راستہ دینے کے بعد صنعت نے طلِسمی حِصار پھر قائم کر دیا تھا۔ جیسے ہی وہ بھاگتے ہوئے اس سے ٹکرائے، بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ صنعت نے

انہیں بھی چڑیا بنا کر پنجرے میں بند کر دیا اور ایک طلِسمی پُتلے کے ذریعے یہ خبر ملکہ مہ جبین کے پاس بھی بھیج دی۔

مہ جبین اور شہزادہ اسد کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ عیّاروں سے اُنہیں بڑی اُمّیدیں تھیں۔ مگر اب وہ بھی گرفتار ہو چکے تھے۔ مشورے کے لیے انہوں نے بچے کھُچے خاص سرداروں کی میٹنگ بلائی۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ ”خواجہ عُمرو کے سوا اِس بلا سے اور کوئی دوسرا ہمیں نجات نہیں دِلا سکتا۔“

آخر شہزادہ اسد نے عُمرو کو بُلایا اور اُن سے کہنے لگا: ”نانا جان! مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ گُستاخی کی تھی۔ اب معاف فرمایئے اور صنعت کا کچھ انتظام کیجیے۔“

خواجہ عُمرو بپھر کر بولے۔ ”تم لوگوں کو اپنے علاوہ اور کِسی کی ذرا بھی فکر نہیں۔ قرض دار ہر وقت میری پگڑی اُچھالتے رہتے ہیں۔ کبھی ان سے میری جان چھُڑانے کی بھی سوچی ہے؟“ اس جواب سے سب سمجھ گئے کہ خواجہ رقم لیے بغیر راضی نہ ہوں گے۔

"میں بیس ہزار روپے پیش کرتا ہوں۔" شہزادہ اسد نے کہا۔

"تیس ہزار روپے میں بھی نذر کرتی ہوں۔" ملکہ مہ جبیں نے کہا۔ مزید پچاس ہزار روپے سرداروں نے مل جُل کر ادا کیے۔ عُمرو نے ایک لاکھ روپے کی رقم زنبیل میں ڈالی اور شہزادہ اسد سے بولا۔ "اب پچاس ہزار جادُوگروں کی فوج میرے حوالے کی جائے۔" شہزادہ اسد نے یہ مطالبہ بھی پورا کر دیا۔ فوج کی کمان ملتے ہی عُمرو نے ماتحت افسروں کو حکم دیا۔ "دو گھنٹے کے اندر کُوچ کرنے کے لیے تیّار ہو جاؤ۔" افسر حکم کی تعمیل میں لگ گئے۔

ملکہ مہ جبین نے پوچھا۔ "خواجہ، یہ رات کے وقت آپ کہاں کوچ کر رہے ہیں؟"

عُمرو نے جواب دیا۔ "امیر حمزہ کے پاس کوہ عقیق جاؤں گا۔"

مہ جبین تڑپ کر بولی۔ "مگر آپ تو صنعت سے نپٹنے کی بات کر رہے تھے۔ ہمیں اس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر امیر حمزہ کے پاس کیوں جا رہے ہیں؟"

"اس لیے کہ اب صنعت سے امیر حمزہ کے سوا کوئی نہیں جیت سکتا۔ میں

اُنہیں لینے جارہاہوں۔"

تھوڑی ہی دیر بعد خواجہ عُمرو بن سنور کر اور پچاس ہزار کا لشکر لے کر کوچ کا نقّارہ بجاتے ہوئے کوہِ عتیق کی طرف چل دیے۔ صنعت اور ملکہ حیرت کے جو جاسوس بھیس بدلے مہ رُخ کی چھاؤنی میں موجود رہا کرتے تھے انہوں نے جا کر یہ خبر دُشمن کو پہنچائی۔ چند سرداروں نے چاہا کہ جا کر راستے میں عُمرو کی فوج پر حملہ کر دیں مگر حیرت و صنعت نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ اِس فتنے کو جانے دو۔ اب سارے باغی آسانی سے ہماری اِطاعت قبول کرلیں گے۔

صنعت کی دی ہوتی مُہلت میں ایک دن باقی تھا کہ دوپہر کے وقت جادُوگروں کا ایک زبردست لشکر آتا دِکھائی دیا۔ وہ سب بڑے زور شور سے شہنشاہ افراسیاب کی جے، ملکہ حیرت کی جے اور ملکہ صنعت زندہ باد کے نعرے لگارہے تھے۔ یہ نعرے سُن کر مہ جبین کے لشکر کا دل ڈوب گیا۔ صنعت اور حیرت کی فوج ہی ان کے لیے موت کا پہاڑ بنی ہوئی تھی کہ ایک دُشمن فوج اور مقابلے پر آگئی تھی۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ وہ

اس لشکر کی آن بان دیکھتے رہے۔ ملکہ حیرت کی چھاؤنی کے قریب پہنچ کر یہ لشکر رُک گیا۔ سب سے آگے ایک خوب صورت جوان ہاتھی پر سوار تھا۔ اس کے دائیں بائیں کئی وزیر زرق برق لباس پہنے کھڑے تھے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی بہت بڑا شہزادہ ہے۔ صنعت کے سپاہی طلِسمی حِصار کی دوسری جانب سے اُس کے سامنے آکر ٹھہر گئے تو شہزادے نے ان سے بڑے رُعب کے ساتھ کہا۔ ''خالہ صنعت سے جا کر کہو، شہزادہ سر فروش جادُو آئے ہیں۔''

معلوم رہے کہ سر فروش صنعت کی بہن کا بیٹا تھا اور صنعت اسے بہت چاہتی تھی۔ جیسے ہی اُس کو خبر ملی کہ سر فروش آیا ہے اُس نے اپنے سرداروں کو اس کے اِستقبال کے لیے روانہ کیا، طلِسمی حِصار کو ختم کر دیا اور دربار میں آکر شان سے بیٹھ گئی۔ سر فروش اِستقبال کرنے والوں کے ساتھ مع اپنی فوج کے صنعت کی بار گاہ کے سامنے آکر ٹھہر گیا۔ خود بھی ہاتھی سے نیچے اُترا اور اپنے خاص سرداروں کو بھی نیچے اُترنے کا حکم دیا۔ اب جا کر لوگوں نے دیکھا کہ سر فروش اور اُس کے ہمراہیوں میں سے ہر ایک

کے ہاتھ میں ایک ایک کٹا ہوا سر ہے۔ سرفروش بارگاہ کی طرف چلا تو دروازے پر صنعت اس کے استقبال کے لیے کھڑی تھی۔ قریب پہنچے تو سرفروش نے وہ کٹا ہوا سر جو اس کے ہاتھ میں تھا صنعت کو دِکھاتے ہوئے شوخی سے کہا۔ ”خالہ جان! پہچانیے۔ یہ کِس کا سر ہے؟“ صنعت بھونچکی رہ گئی۔ بولی ”ارے! یہ تو عُمرو کا سر ہے۔ تُو نے اِسے کہاں قتل کیا؟“

”خالہ جان! وہ ایک فوج کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ میرے سامنے پڑ گیا۔ بس میں نے اُسے اور اُس کے سارے سرداروں کو وہیں کا وہیں قتل کر دیا۔ اس کی فوج کے صرف چند آدمی جان بچا کر بھاگ سکے۔ اس کے سرداروں کے سر میرے آدمی پیچھے لیے آ رہے ہیں۔“

صنعت بازو پھیلا کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی، ”بیٹا! تو نے بڑا کام کیا۔ مگر تُجھے ایسے فتنے سے الجھنا نہیں چاہیے تھا۔ سامری نے بڑا کرم کیا۔“ سرفروش بھی محبت سے بانہیں پھیلا کر صنعت کی طرف بڑھا۔ خالہ بھانجے ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔ صنعت نے اس کی پیشانی اور گالوں کا بوسہ لے کے چاہا کہ الگ ہو، مگر سرفروش اپنی گرفت مضبوط کرتا چلا جا رہا

تھا۔ ایک طرف مُنہ پھیر کر خُود کو الگ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔ ”ارے لڑکے! چھوڑ۔ میری پسلیاں ٹوٹی جارہی ہیں۔“

جیسے ہی اُس نے مُنہ پھیرا، سرفروش نے ایک غبّارہ اُس کے سامنے کر دیا۔ غبّارے کے اندر سے باریک سفوف نکل کر صنعت کی ناک اور مُنہ پر پڑا۔ اب جا کر وہ چونکی۔ سمجھ گئی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ زور لگا کر تڑپی تو سرفروش کی گرفت سے صاف نِکل گئی۔ اِسی لمحے سرفروش ہاتھ میں خنجر لے کر اُس کی طرف لپکا اور نعرہ لگایا۔ ”منم خواجہ عُمرو! او صنعت، آج تو مُجھ سے بچ کر نہ جائے گی۔“

صنعت نے چاہا کہ منتر پڑھ کر عُمرو پر وار کرے مگر اُسے ایک چھینک آئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ بے ہوشی کا سفوف اپنا کام کر گیا تھا۔ صنعت کے مُحافظ اُسے بچانے کے لیے دوڑے، مگر اس سے پہلے ہی عُمرو نے چھلانگ لگا کر خنجر کے پے در پے وار سے اس چڑیل کا کام تمام کر دیا۔ یک دم زبردست آندھیاں چلنے لگیں، گھور اندھیرا چھا گیا، رونے پیٹنے کی صدائیں ہر طرف گونجنے لگیں اور اس کے بعد ایک دردناک صدا دور دور

تک پھیل گئی۔ ”مجھے دھوکے سے عُمرو نے ہلاک کیا۔ میرا نام صنعت سحر ساز تھا۔“

اس آواز کا سُنائی دینا تھا کہ نقلی سرفروش جادُو کے ساتھ آئی ہوئی پچاس ہزار جادُوگروں کی فوج نے صنعت کے لشکر پر آگ، پتھّر اور تیر برسانے شروع کر دیے۔ صنعت کی موت کے اعلان سے اُس کے آدمیوں کے دل ویسے ہی چھوٹے ہو چکے تھے، یہ اچانک اور بھرپُور حملے شروع ہوئے تو ان کے حواس جاتے رہے۔ عُمرو کے ساتھیوں نے اُن کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ چند گھنٹوں کے اندر میدان صاف تھا۔ صنعت کی آدھی سے زیادہ فوج ماری گئی۔ باقی بے سروسامانی کے عالم میں جان بچا کر نِکل گئی۔ مہ رُخ سمیت عُمرو کے جن سرداروں اور شاگردوں کو صنعت نے چڑیا بنا کر پنجرے میں قید کر دیا تھا، صنعت کے مرتے ہی وہ سب اپنی اصلی حالت میں آ گئے۔ خواجہ عُمرو انہیں ساتھ لے کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنی چھاؤنی کی طرف چل دِیے۔

اس سے پہلے جاسوس شہزادہ اسد کو یہ خبر دے چکے تھے کہ صنعت کی

چھاؤنی میں زبردست جنگ ہو رہی ہے۔ طلِسمی حِصار کے ڈر سے کوئی صنعت کی چھاؤنی کے اندر جاکر صحیح بات معلوم کرنے کا حوصلہ نہ کر سکا تھا، اس لیے وہ نہ جان سکے کہ کون کِس سے لڑ رہا ہے۔ صنعت کی مہلت میں ایک دن باقی تھا۔ مگر اس اچانک جنگ کی خبر سُن کر شہزادہ اسد نے احتیاطاً اپنی فوج کو تیّار رہنے کا حکم دے دیا تھا۔ جیسے ہی اُسے پتا چلا کہ ایک لشکر بڑی دھوم دھام سے اس کی چھاؤنی کی طرف آرہا ہے، اپنی فوج کو تیّار کر کے وہ انتظار کتنے لگا۔ ہر ایک دِل میں ٹھانے ہوئے تھا کہ مرتے مرتے بھی ایسی جنگ کی جائے کہ دُشمن ہمیشہ یاد رکھے۔ لیکن آنے والے لشکر جیسے ہی قریب آیا، ہر ایک کے چہرے پھُول کی طرح کِھل گئے۔ جن لوگوں کو صنعت نے قید کر لیا تھا، وہ آنے والوں میں سب سے آگے آگے تھے۔

مشعل جادُو

صنعت کی موت معمولی واقعہ نہ تھا۔ مہ رُخ کی چھاؤنی میں دھوم دھام سے خُوشی کا جشن منایا گیا۔ ملکہ حیرت کی چھاؤنی میں کُہرام برپا تھا۔ افراسیاب باغِ سیب میں تھا۔ اس نے جو یہ خبر سُنی تو غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ درباریوں سے بولا۔ ”بس اب پانی سر سے اُونچا ہو چکا ہے۔ باغیوں کو اور مہلت نہ دوں گا۔ ملکہ حیرت کو کہلا بھیجو، جلد ہی کسی طلِسمی بلا کو لے کر آؤں گا۔“ طلِسمی بلا کا نام سُنتے ہی دربار میں موجود لوگوں کو جھُرجھُری آگئی۔ وہ جانتے تھے کہ ان بلاؤں کا مُقابلہ دنیا میں کوئی نہ کر سکے گا۔ لیکن اُنہیں ڈر تھا کہ باغیوں کو ختم کرنے کے بعد وہ دوبارہ اپنے حُجروں میں واپس نہ بھیجی جا سکیں گی اور مُلک کے لیے مُصیبت بن جائیں گی۔ وہ چاہتے تھے کہ افراسیاب کو ایسا کرنے سے روکیں مگر اس کو مُشتعل دیکھ کر کسی کو کُچھ کہنے

کی ہمّت نہ ہوئی۔ افراسیاب اپنی بات کہہ کر اسی وقت اُڑن تخت پر بیٹھ کر طِلسم ظُلمت کی طرف چل دیا۔

درباریوں نے یہ خبر ملکہ حیرت کو بھیج دی۔ وہاں یہ بات مشہور ہونے پر دُشمنوں کے حوصلے پھر بحال ہوگئے۔ مہ رُخ کے جاسُوسوں نے یہ خبر ملکہ مہ جبین کو پہنچادی۔ مہ جبین طِلسمی بلاؤں کی طاقت سے واقف تھی۔ اس کا دل ڈوب گیا۔ مشورے کے لیے اس نے سارے سرداروں کو اکٹھا کیا۔ جس نے یہ بات سُنی اس کے ہاتھ پاوں ڈھیلے ہوگئے۔

اُدھر افراسیاب تخت اُڑاتا ہوا طِلسم ظلمات کے ایک بیاباں میں جا کر اُترا۔ وہیں پیپل کا ایک بڑا درخت تھا، جس کے نیچے پتھّر کی سیل پر ایک بُوڑھا جادُوگر آہن جمائے بیٹھا تھا۔ افراسیاب خاموشی کے ساتھ اس جادُوگر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اُس نے جادُوگر کو مخاطب کر کے کہا۔ "اے زال جادُو! طِلسم ہوش رُبا کا شہنشاہ افراسیاب تیرے سامنے حاضِر ہے۔" وقفے وقفے سے تین بار افراسیاب نے یہی الفاظ دُہرائے۔ زال جادُو نے ایک آہ کے ساتھ آنکھیں کھول دیں اور

رُک رُک کر کہا۔ ”بُرا کیا۔ میرے مراقبے میں خلل ڈال دیا۔ بہر حال، شاہِ طلِسم ہونے کے سبب تیری بات ضرور سُنوں گا۔ بول کیا چاہتا ہے؟“

”مُجھے ظُلمات کی بلا مشعل جادُو کی مدد کی ضرورت ہے۔“ افراسیاب نے کہا ”اس کے حُجرے تک لے چل اور یہ بھی بتا کہ وہ میری مدد پر کِس طرح راضی ہو گا؟“

زال جادُو بولا۔ ”یہ سودا تُجھے مہنگا پڑے گا۔ کیا کوئی ایسا لڑکا ہے جسے تو سب سے زیادہ چاہتا ہو؟“

”ہاں!“ افراسیاب نے جواب دیا۔ ”میرا مُنہ بولا بیٹا خورشید۔ پندرہ سولہ سال کی عمر ہو گئی۔“

”ٹھیک۔“ زال جادُو نے کہا۔ ”جا کر پہلے اُسے لے آ۔ تُجھے اپنے ہاتھوں سے اس کے گلے پر چھری پھیرنی ہو گی۔ اس کا خُون مشعل جادُو کو پلانا ہو گا۔ اس کے بعد وہ جو بھی مطالبہ کرے تُجھے پورا کرنا ہو گا۔ اور یہ بات تُو اچھی طرح جانتا ہے کہ ایک بار حُجرے سے باہر نکلنے والی بلا دوبارہ حُجرے میں واپس جانا پسند نہیں کرتی۔“

افراسیاب خورشید کو بالکل اپنے بیٹے کی طرح چاہتا تھا۔ زال جادُو کی شرط سُنتے ہی اس کا کلیجا کانپ اُٹھا۔ اپنے ہاتھوں اپنے چہیتے بیٹے کا گلا کاٹنا کوئی آسان بات نہیں لیکن افراسیاب پر اس وقت غرض کا بھُوت سوار تھا۔ سینے پر پتھّر رکھ کر اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کہنے لگا:

"میں آپ کی ہر شرط تسلیم کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہاں سے اُٹھا اور اُڑن تخت پر بیٹھ کر قلعۂ خورشیدیہ کی طرف چل دیا۔ اِتّفاق سے اس وقت خورشید قلعے کے باہر پرندوں کا شکار کھیل رہا تھا۔ محافظوں کا ایک ہجوم اس کے ساتھ تھا۔ افراسیاب تخت اُڑائے چلا جا رہا تھا کہ مجمع دیکھ کر اُتر پڑا۔ خورشید کی نظر جونہی افراسیاب پر پڑی، تیر کمان پھینک کر بھاگتا ہوا آیا اور افراسیاب سے لپٹ گیا۔ خورشید کا بھولا بھالا چہرہ دیکھ کر افراسیاب چند لمحوں کے لیے کشمکش میں پڑ گیا مگر پھر دل پر جبر کر کے بولا۔ "مجھے ایک ضُروری مُہم درپیش ہے۔ میرے ساتھ چلو۔"

تخت پہلے کی طرح پھر فرّاٹے بھرنے لگا۔ آخر دونوں زال جادُو کے پاس جا پہنچے۔ زال جادُو اُنہیں ساتھ لے کر ایک ٹیلے پر آیا۔ وہاں کوئی منتر پڑھ کر

اُس نے زمین پر پیر مارا۔ گڑ گڑاہٹ کی آواز کے ساتھ ٹیلے میں ایک بڑا سا شگاف پیدا ہو گیا۔ زال جادُو نے افراسیاب کو پیچھے آنے کا اشارہ کر کے شگاف میں چھلانگ لگا دی۔ افراسیاب بھی خورشید کو گود میں اُٹھا کر شگاف میں کود پڑا۔ کچھ دیر بعد تینوں شگاف کی تہہ میں تھے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک دروازہ تھا جس میں ایک بڑا سا طِلسمی تالا لٹک رہا تھا۔ زال جادُو نے دروازے کے قریب پہنچ کے افراسیاب سے کہا۔ ”میرے علاوہ یہ تالا دُنیا میں اور کوئی نہیں کھول سکتا۔“

یہ کہہ کر اُس نے خنجر سے ایک ہاتھ کی رگ کاٹی اور طِلسمی تالے پر اپنا خون ٹپکانے لگا۔ تالا ہر طرف سے خون میں تربتر ہو کر کھٹاک کی آواز کے ساتھ کھُل گیا۔ زال جادُو نے تالا دروازے سے دُور پھینک کر پٹ کھول دیے۔ دروازہ کھلتے ہی ایک عجیب سی بُو کا بھبھکا آیا۔ ساتھ ہی نیچے جاتی ہوئی پتھروں کی سیڑھی دِکھائی دی۔ خورشید پہلے ہی سہما ہوا تھا۔ یہ پُراسرار تہہ خانہ دیکھ کر بُری طرح ڈر گیا۔ افراسیاب نے اُسے پھر گود میں اُٹھا لیا اور زال جادُو کے پیچھے تہہ خانے میں اُترتا چلا گیا نیچے ایک کمرہ تھا

جس کے بیچوں بیچ پتھر کی بڑی میز پر ایک لاش پڑی تھی۔

"طلِسمی بلا، مشعل جادُو یہی ہے۔" زال جادُو نے آہستہ سے کہا۔ افراسیاب نے کنکھیوں سے لاش کا جائزہ لیا۔ لاش کی بھوئیں، مونچھیں اور داڑھی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ تقریباً بالکل چھُپ گیا تھا۔ باقی جسم کا حصّہ ہڈیوں کے ڈھانچے کے سوا اور کچھ نہ معلوم دیتا تھا۔ ہاتھ پیروں کے ناخن انگلیوں کے جتنے بڑھے ہوئے تھے۔ سر سے پیر تک جگہ جگہ مکڑیوں نے جالا بنا رکھا تھا۔ صاف پتا چلتا تھا کہ مدّتوں سے یہ جسم ایک جیسی حالت میں یہاں پڑا ہے۔

زال جادُو نے لاش پر سے گرد و غبار اور مکڑی کے جالے کو صاف کیا اور اس کے بعد ایک خنجر اور بڑا سا پیالہ افراسیاب کر دے کر کہا۔ "اب تم اپنا کام کرو۔"

اِدھر کانپتے ہاتھوں سے افراسیاب نے خنجر اور پیالہ لیا۔ اُدھر خورشید کی ڈر کے مارے چیخ نکل گئی۔ چند لمحے افراسیاب زبردست کشمکش میں مبتلا رہا مگر پھر جی کڑا کر کے اس نے خورشید کے حلق پر خنجر پھیر ہی دیا۔ تھوڑی ہی

دیر میں خورشید کی لاش تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہو گئی۔ افراسیاب اس کے خون سے بھرا ہوا پیالہ لے کر لڑکھڑاتا ہوا زال جادُو کے قریب پہنچا۔

"جیسے ہی مشعل جادُو اُٹھ کر بیٹھے، یہ پیالہ اس کے مُنہ سے لگا دینا۔" زال جادُو نے کہا اور انگلیاں ڈبو کر چند قطرے خون کے مشعل جادُو کی ناک میں ٹپکا دیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پھُریری لی اور ہاتھوں کے سہارے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ افراسیاب نے فوراً خُون کا بھرا ہوا پیالہ اُس کے مُنہ سے لگا دیا۔ چند گھونٹ پینے کے بعد اس نے پیالہ خود اپنے ہاتھوں میں سنبھال لیا اور مُنہ سے

اس وقت الگ کیا جب آخری قطرہ تک حلق میں اُتار گیا۔

"آفرین!" مشعل جادُو بولا۔ "تم نے مُجھے خُوش کر دیا۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

زال جارو نے افراسیاب کو اشارہ کیا۔ افراسیاب نے آگے بڑھ کر ادب سے کہا۔ "میں طلِسم ہوش رُبا کا شہنشاہ افراسیاب ہوں۔ باغیوں نے مُجھے پریشان کر رکھا ہے۔ میرے ساتھ چل کر اُن کو مزہ چکھایئے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو ہمیشہ ایسا ہی لذیذ، گرم اور تازہ خُون پیش کرتا رہوں

گا۔"

مشعل جادُو نے خوش ہو کر کہا۔ "شاباش افراسیاب! میں ضرور تمہاری مدد کروں گا۔" اپنی نکلی ہوئی ہڈّیوں اور لٹکتی ہوئی کھال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "لیکن اِس سڑے اور بوسیدہ جسم کے ساتھ چلنا بھی اچھا نہیں لگتا۔ کیا کسی تازہ لاش کا بندوبست ہو سکتا ہے؟"

زال جادُو نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ "حضور ایک نو عُمر لڑکے کی لاش حاضر ہے۔"

مشعل جادُو نئے خورشید کی لاش کو غور سے دیکھا۔ "بہت مناسب۔" اس نے کہا۔ "ایسا کرو اس کے حلق میں ٹانکے لگا دو اور لاش کو میرے قریب لے آؤ۔"

زال جادُو نے حلق کا زخم سیا اور افراسیاب نے لاش اُٹھا کر مشعل جادُو کے قریب رکھ دی۔ مشعل جادُو اس سے چمٹ گیا اور مردہ خورشید کے مُنہ سے مُنہ لگا کر اپنی روح اس نے اس کے جسم میں داخل کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے مشعل جادُو کا پُرانا جسم اکڑ کر ٹھنڈا ہو گیا اور خورشید کے جسم میں

زندگی کی حرارت دوڑنے لگی۔ اس نے کھڑے ہو کر نعرہ بُلند کیا۔ ''منم مشعل جادُو۔''

افراسیاب مشعل جادُو کو لے کر ملکہ حیرت کی چھاؤنی میں پہنچا۔ عیش و عشرت کے دوسرے سامان کے علاوہ چار خُوبصورت اور نو عُمر لڑکوں کا خُون مشعل جادُو کی روزانہ کی خوراک مُقرّر ہوئی۔ ہر طرف منادی کرادی گئی کہ ''مشعل جادُو حُجرۂ بلا سے نِکل کر افراسیاب کی مدد کو آئے ہیں۔''

مہ رُخ کے لشکر میں اِس خبر نے تہلکہ مچادیا۔ عُمرو نے سب کو تسلّیاں دیں اور شہنشاہ کوکب کو اطلاع بھجوا کر مشورہ طلب کیا۔ کوکب نے جواب دیا ''مشعل جادُو ایک خُوف ناک بلا ہے۔ کئی سو سال سے حُجرے میں بند تھا۔ جسم بدلنے اور دوسروں کی روحیں قبض کرنے میں کمال رکھتا ہے۔ اگر اس سے نگاہیں ملائے بغیر مُقابلہ کیا جائے تو اس کے وار سے بچا جاسکتا ہے۔ مگر اُسے ہلاک نہیں کیا جا سکتا۔ میں تدبیر کر رہا ہوں۔ کوئی عمل کارگر ہو گیا تو ٹھیک، ورنہ ملکہ بُرّاں اور دیگر شہزادیوں کو مدد کے لیے جلد روانہ کروں گا۔'' کوکب کے اس خط سے عُمرو کی بڑی ڈھارس بندھی۔

آخر کار ملکہ حیرت کی چھاؤنی سے ایک رات اعلانِ جنگ کے نقّارے گونجے لگے۔ پتا چلا کہ کل دن کو مشعل جادُو جنگ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جواب میں عُمرو نے بھی اپنے لشکر میں طبلِ جنگ بجانے کا حکم دے دیا۔

صُبح ہونے سے کُچھ پہلے چند جاسوس بھاگے ہوئے عُمرو کے پاس آئے اور خبر دی کہ میدانِ جنگ کے قریبی درّے میں زبردست الاؤ تیّار کیا جا رہا ہے۔ مشعل جادُو نے ہدایت کی ہے کہ باغیوں کا جو سردار میرے ہاتھوں مارا جائے اس کی لاش کو فوراً جلا دیا جائے۔ اس خبر سے عُمرو کے کان کھڑے ہو گئے۔ شاگرد عیّاروں کو بُلا کر اُن نے کہا:

"کوکب نے مجھے لکھا ہے کہ مشعل جادُو دُشمن کی رُوح قبض کر لیتا ہے۔ دوسری طرف مشعل جادُو نے حکم دیا ہے کہ جو بھی سردار اس کے ہاتھ سے مارا جائے اس کی لاش فوراً جلا دی جائے۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ مشعل جادُو روح قبض کر کے کِسی دوسرے جان دار کے جسم میں محفوظ کر دیتا ہے۔ جس طرح بن پڑے تم لوگ جا کر الاؤ پر قبضہ کر لو اور ہمارا جو بھی سردار مشعل جادُو کے مُقابلے میں ہلاک ہو اُس کی لاش کی بحفاظت

اپنی چھاؤنی میں پہنچا دینے کا انتظام کرو۔"

شاگرد عیّاروں نے عُمرو کے خیال سے اِتّفاق کیا اور بھیس بدل کر الاؤ کی طرف روانہ ہو گئے۔ سورج نکلنے پر دونوں جانب کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئیں۔ افراسیاب اور مشعل بڑی شان کے ساتھ بارگاہ سے نکل کر میدانِ جنگ کی طرف بڑھے۔ ان کے لشکر کی اگلی صفوں کے درمیان ایک جگہ ایک پُراسرار خیمہ لگا ہوا تھا۔ نہ جانے اس کے اندر کیا تھا کہ افراسیاب اور مشعل جادُو کے علاوہ کِسی کو بھی اس کے اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ افراسیاب اور مشعل جادُو اس خیمے کے اندر چلے گئے اور چند لمحوں بعد ہی باہر آ گئے۔ دونوں نے آپس میں کچھ باتیں کیں جس کے بعد افراسیاب تو خیمے کے سامنے بیٹھ گیا اور مشعل جادُو اکڑتا ہوا میدانِ جنگ میں جا پہنچا۔ باغیوں کی فوج پر حقارت کے ساتھ نظر دوڑانے کے بعد اس نے نعرہ لگایا۔ "منم مشعل جادُو۔ اے باغیو! ہمّت ہو تو کِسی کو میرے مُقابلے پر بھیجو۔"

مشعل جادُو کی مہ رُخ کی فوج پر ہیبت چھائی ہوئی تھی مگر اب جو سب نے

غور سے دیکھا تو پندرہ سولہ برس کا خوب صورت سا لڑکا انہیں للکار رہا تھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ مشعل جادُو کا نام محض ڈرانے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ مُقابلے میں آنے والا کوئی اور ہی ہے۔ اس بات سے مہ رخ کی فوج کے ٹوٹے ہوئے حوصلے پھر بُلند ہو گئے۔ ملکہ فرمانیہ، ملکہ مہ جبین سے اجازت لے کر میدانِ میں آ گئی۔ مشعل جادُو اس کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو گیا۔ وہ سمجھی شاید بھاگنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ہاتھ میں ناریل لے کر اس کے پیچھے بھاگی۔ قریب پہنچ کر اس نے ہاتھ بڑھایا کہ لڑکے کو گردن سے پکڑ لے کہ اُسی لمحے وہ پلٹ پڑا۔ دونوں کی نگاہیں مل گئیں۔ نگاہیں ملتے ہی فرمانیہ کا بدن سُن ہو گیا۔ جادُو منتر سب بھُول گئی۔ مشعل جادُو نے ایک زور دار طمانچہ رسید کیا۔ فرمانیہ کی گردن ٹوٹ گئی۔ زمین پرِ گر کر دم توڑنے لگی۔ یہ دیکھتے ہی افراسیاب خیمے میں گیا۔ ایک پرندہ ہاتھ میں لے کر باہر نکلا اور اُڑتا ہوا فرمانیہ کے قریب پہنچا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس پرندے کی گردن مروڑ دی۔ پرندہ مر گیا تو اس کی چونچ اس نے فرمانیہ کے مُنہ سے لگا دی۔ پردہ پھر زندہ ہو گیا۔ فرمانیہ کی لاش تڑپ کر ٹھنڈی پڑ

گئی۔ افراسیاب نے ایک جانب اشارہ کیا۔ چند جلّاد بھاگتے ہوئے آئے اور فرمانیہ کی لاش اُٹھاکر اس درّے کی طرف چل دیے جہاں الاؤ جل رہا تھا۔
فرمانیہ کے بعد ملکہ سُرخ مُو مُقابلے کے لیے آئی۔ اس نے کچھ دیر تک بڑی بہادری سے مُقابلہ کیا لیکن اس کی بھی نگاہ مشعل جادُو سے مل گئی اور اس کا حشر بھی فرمانیہ جیسا ہوا۔
ایک کمسن لڑکے کے ہاتھ سے دو نام ور جادُو گر شہزادیوں کے مارے جانے سے ملکہ کاکُل کُشا کو سخت غصّہ آیا۔ مہ جبین سے اجازت لے کر وہ میدان میں آئی اور مشعل جادُو پر نارنج، تُرنج، ناریل اور گولوں کی برسات کر دی۔ کچھ دیر تک وہ اپنا بچاؤ ہی کرتا رہا مگر جب اُس نے دیکھا کہ یہ تابڑ توڑ حملے ختم نہیں ہوتے تو اس نے بھی کاکُل کُشا پر گولے برسانے شروع کر دیے۔ مشعل جادُو کے گولے زبردست جادُوئی طاقت رکھتے تھے۔ ان کا توڑ مشکل جان کر وہ زمین میں ڈُبکی لگا گئی۔ چند لمحوں بعد وہ مشعل جادُو کی پشت پر تھی۔ پہلے کی طرح اس نے پھر مشعل جادُو پر گولے برسانے شروع کر دیے۔ اب کی مرتبہ مشعل نے زمین میں ڈبکی لگائی۔ کاکُل کُشا

سمجھی وہ جل کر راکھ ہو گیا لیکن اچانک مشعل اُس کے پیچھے زمین سے نِکلا اور نعرہ مارا۔ "منم مشعل جادُو۔"

کاکُل گھبرا کر جو پائی تو اس کی نگاہ مشکل سے مل گئی۔ بس پھر کیا تھا۔ اس کا بھی وہی حشر ہوا جو دوسروں کا ہو چکا تھا۔ اس کی روح بھی ایک مردہ پرندے کے اندر دخل کر دی گئی۔ لاش کو جلّاد جلانے کے لیے لے گئے۔

کاکُل کُشا کے بعد ناگن بجلی اور رعد جادُو مشعل کے مُقابلے پر آئے۔ دونوں نے بڑی دیر تک جنگ کی لیکن آخر میں مشتعل کے ہاتھوں وہ بھی مارے گئے۔ ان کی روحیں بھی مردہ پرندوں میں منتقل کر دی گئیں اور لاشیں جلانے کے لیے بھیج دی گئیں۔

اسی اثنا میں دوپہر ہو گئی اور دونوں جانب کی فوجیں اپنی اپنی چھاؤنیوں کو لوٹ گئیں۔ شام کے وقت افراسیاب اور مشعل جادُو لاشوں کو دیکھنے کے لیے درّے میں گئے۔ وہاں جلّادوں نے اُنہیں پانچ مُردوں کی بچی کھُچی ہڈّیاں اور کھوپڑیاں دکھائیں۔ دونوں مطمئن ہو کر اپنی بارگاہ میں واپس آ گئے۔ اس بات کا اُنہیں شبہ بھی نہ ہو سکا کہ جو جلی ہوئی ہڈّیاں اور کھوپڑیاں

انہوں نے دیکھی ہیں وہ خُود ان کے اپنے جلّادوں کی ہیں اور اصل لاشیں مہ جبین کی چھاؤنی میں پہنچائی جاچکی ہیں۔

دراصل عُمرو کے شاگرد عیّاروں نے جلّادوں کے بھیس میں درّے کا سارا کاروبار اتنی خوب صورتی سے سنبھال رکھا تھا کہ اصلی لاشیں عُمرو کے پاس پہنچادی جاتی تھیں اور ان کی جگہ جلّادوں کی لاشیں جلادی جاتی تھیں۔ پہاڑ سے لکڑیاں کاٹ کر لانے اور الاؤ جلانے کے لیے جلّادوں کی جو ٹولیاں افراسیاب کی جانب سے مقرّر کی گئی تھیں، عُمرو کے شاگردوں نے اُن کے سرداروں کی جگہ سنبھال رکھی تھی اور کِسی بھی جلّاد کو خفیہ طور پر ہلاک کر کے اس کی لاش کو اصلی لاش کی جگہ جلادینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

دوسرے دن مشعل جادُو پھر میدان میں آیا اس مرتبہ مخمور، ملکہ ماراں اور ملکہ اسرار جادُو نے اس سے جنگ کی۔ دوپہر تک زبردست مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر میں ایک بار ملکہ اسرار جادُو کے وار سے مشعل زخمی بھی ہو گیا تھا مگر انجام وہی ہوا۔ تینوں شہزادیوں کی لاشیں درّے میں بھجوا کر مشعل جادُو نے جنگ ملتوی کر دی۔

اگلے دن ملکہ بہار اور ملکہ مہ رخ نے باری باری مشعل جادُو سے مُقابلہ کیا۔ ان دونوں کی جنگ دوسروں سے زیادہ سخت اور طویل رہی۔ مگر آخر کار دونوں نامور شہزادیاں کام آئیں اور افراسیاب نے ان کی روحوں کو بھی پرندوں کے مردہ جسموں میں بند کر دیا اور لاشیں جلانے کے لیے بھجوا دیں۔

چوتھے دن شہزادہ اسد اور ملکہ مہ جبین مشعل جادُو کے مُقابلے پر جانا چاہتے تھے مگر جب شہزادہ اسد بڑھتا، مہ جبین اُسے روک دیتی اور جب مہ جبین جانا چاہتی، شہزادہ اسد روک لیتا۔ اس تکرار میں خاصا وقت گزر گیا۔ مشعل میدان میں للکارتا رہا اور کوئی بھی اُس کے سامنے نہ جا سکا۔ تنگ کر مشعل للکارا:

"اے باغیو! اگر اب تم میں سے کِسی میں لڑنے کا حوصلہ نہیں تو ہتھیار پھینک کر افراسیاب کے سامنے حاضر ہو اور معافی مانگو۔ بس آدھ گھنٹے کی مہلت ہے۔ اس کے بعد جو بھی اسد کے جھنڈے کے نیچے ہو گا یلغار کر کے اُس کے ٹکڑے اُڑا دوں گا۔"

اس دھمکی سے مہ جبین کی فوج کے چھکّے چھُوٹ گئے۔ کچھ بھاگنے کی سوچنے لگے، کچھ افراسیاب سے معافی مانگنے کی۔ لیکن ابھی وہ کسی ایک بات پر عمل نہ کرنے پائے تھے کہ ملکہ مجلس جادُو، ملکہ اختر اور ملکہ بُرّاں تخت اُڑاتی ہوئی طِلسمِ نُور افشاں سے وہاں پر پہنچیں۔ مہ جبین تینوں سے لپٹ لپٹ کر خوب روئی اور ان کو سارا حال کہہ سنایا۔ ملکہ بُرّاں نے اُسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں شہنشاہ کوکب نے آپ کی مدد کے لیے بھیجا ہے۔ مُقابلہ طِلسمی بلا یعنی اصلی مشعل جادُو سے ہے۔ مگر ہم بھی جانیں لڑا دیں گے۔ جو قسمت میں لکھا ہے پورا ہو گا۔''

مجلس جادُو بولی۔ ''سب سے پہلے میں جا کر اس بلا سے نپٹتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ اُڑتی ہوئی مشعل جادُو کے سامنے جا پہنچی۔ دیکھنے میں مجلس جادُو قد اور عُمر کے لحاظ سے چھ سات سال کی بچّی لگتی تھی، اس لیے مشعل جادُو بولا۔ ''کیا باغیوں کی اتنی بڑی فوج میں دوسرا کوئی نہیں تھا جو مرنے کے لیے تجھ کمسن لڑکی کو بھیج دیا؟''

مجلس جادُو نے جواب دیا۔ ''تو کہاں کا جواں مرد ہے۔ ابھی دودھ کے

دانت بھی تو نہیں ٹوٹے ہوں گے۔ افراسیاب سے کہہ کہ خود آکر میرا مُقابلہ کرے۔ جان لے، میرا نام مجلس جادُو ہے۔ شہنشاہ کوکب کی بھتیجی ہوں۔"

اس جملے کے ختم ہونے کے ساتھ ہی دونوں میں خوفناک لڑائی شروع ہو گئی۔ نارنگیوں، گولوں اور جادُو منتروں کے تابڑ توڑ حملے ہونے لگے۔ مشعل کا وار بچانے کے لیے کبھی مجلس ہوا میں اُڑ جاتی کبھی زمین میں ڈُبکی لگا جاتی، کبھی اپنے طِلسمی پُتلوں سے مدد لیتی اور کبھی بزرگوں کے تحفوں سے۔ سب کُچھ کرتی مگر کِسی بھی طرح مشعل جادُو سے آنکھ نہ ملاتی۔ اس احتیاط کی وجہ سے مشعل کا کوئی وار اس پر کارگر نہ ہو سکا۔

ایک گھنٹے کی لڑائی کے بعد مشعل نے غصّے میں آکر تلوار کھینچ لی۔ مجلس جادُو نے بھی تیغ نکال لی۔ پھر تو دونوں کے درمیان ایسی زبردست تلوار چلی کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں چکاچوند ہو گئیں۔ کچھ دیر لڑتے لڑتے مجلس جادُو نے ایک ہاتھ سے مُٹھّی بھر کر مٹّی اُٹھائی اور مشعل کی آنکھوں میں جھونک دی۔ مشعل پیچھے ہٹ کر اپنی آنکھیں ملنے لگا۔ اسی لمحے مجلس نے

اُڑ کر اس کے سر پر تیغ کا ایسا بھرپور وار کیا کہ گردن تک سر دو ٹکڑے ہو گیا۔ مشعل زمین پر گرا اور دم توڑنے لگا۔ مجلس نے فخر سے نعرہ بُلند کیا۔

"منم مجلس جادُو۔"

افراسیاب یہ منظر دیکھتے ہی اُڑتا ہوا آیا اور مشعل کی لاش اُٹھا کر پر اسرار خیمے میں لے گیا۔ چند ہی لمحوں بعد ایک گرانڈیل نوجوان خیمے سے نِکل کر دوڑتا ہوا مجلس جادُو کے قریب جا پہنچا۔ اس وقت مجلس جادُو مہ جبین کے لشکر کی طرف مُنہ کر کے دوستوں کے نعروں کا ہاتھ ہلا ہلا کر جواب دے رہی تھی۔ نوجوان نے آتے ہی نعرہ مارا۔ "منم مشعل جادُو۔ اے مجلس دیکھ، کیا تو نے واقعی مُجھے ہلاک کر دیا؟"

مجلس چونک کر پلٹی اور ایک گرانڈیل نوجوان کو سامنے پا کر حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔ ایسا کرنے میں اس کی نگاہیں مشعل کی نگاہوں سے ٹکرا گئیں۔ اس کے بعد مجلس جادُو کو ہوش نہ رہا۔ آنے والے گرانڈیل نوجوان یا مشعل جادُو نے تلوار مجلس جادُو کے سینے میں بھونک دی۔ وہ بے چاری اپنے بچاؤ کے لیے زبان تک نہ ہلا سکی۔ زمین پر گر کر تڑپنے لگی۔

افراسیاب نے آکر مردہ پرندہ اس کے مُنہ سے لگا دیا۔ پرندہ زندہ ہو گیا اور مجلس کا جسم تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ جلّاد اس کی لاش اُٹھا کر درّے کی طرف لے گئے۔

ملکہ اختر یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اسے اتنا جوش آیا کہ اجازت لیے بغیر اُڑ کر مشعل جادُو کے سامنے جا پہنچی۔ زبردست جنگ کر کے اُس نے دو مرتبہ مشعل جادُو کو قتل کیا لیکن تیسری مرتبہ جونہی اس نے ایک کے پتلے جوان جادُوگر کی شکل میں آکر نعرہ لگایا، "منم مشعل جادُو۔" اُسی وقت اچانک ملکہ اختر کی نگاہیں اُس سے مل گئیں اور اُسے بھی دوسری شہزادیوں جیسا انجام دیکھنا پڑا۔

خواجہ عُمرو بڑے غور سے اِس معاملے کو دیکھ رہے تھے کہ جیسے ہی مشعل جادُو مرتا ہے، افراسیاب اس کی لاش اُٹھا کر خیمے میں لے جاتا ہے۔ وہاں سے دوسرا شخص منم مشعل جادُو کا نعرہ لگاتا ہوا آ جاتا ہے۔ سوچتے سوچتے یہ بات اُن کے دماغ میں بیٹھ گئی کہ مشعل جادُو کی روح ایک سے دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور اس عمل کے لیے غالباً دو تازہ لاشوں کی

ضرورت ہوتی ہے۔ ایک مشعل جادُو کی اور دوسری کسی اور کی۔

ملکہ اختر کے بعد جیسے ہی ملکہ بُرّاں مشعل جادُو سے لڑنے کے لیے میدان میں پہنچی خواجہ عُمرو بھی چادر اوڑھ کر اس کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔ ملکہ بُرّاں نے تین بار جمشیدی آئینے کی شعاعوں سے مشعل جادُو کو قتل کیا۔ ہر بار افراسیاب شہباز کی طرح جھپٹ کر اُس کی لاش خیمے میں اٹھا کر لے جاتا اور عُمرو مُنہ دیکھتا رہ جاتا۔

اِتّفاق سے چوتھی مرتبہ عجیب معاملہ ہوا۔ بُرّاں اور مشعل تلواروں سے سخت جنگ کرتے ہوئے کبھی زمین میں ڈوب جاتے اور کبھی آسمان پر اُڑنے لگتے۔ یہ لڑائی کچھ اتنی عجیب، دلچسپ اور چکاچوند پیدا کر دینے والی تھی کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے اور خاصی دیر تک یہ نہ دیکھ پاتے کہ مشعل کِدھر ہے اور بُرّاں کدھر ہے۔

ایک بار دونوں ایک دوسرے پر تابڑ توڑ وار کرتے خاصی بُلندی تک اُوپر چلے گئے۔ آسمان پر لڑتے لڑتے اچانک بُرّاں کی نِگاہ مشعل سے مل گئی۔ مشعل نے ایک بھرپور وار بُرّاں کے سر پر لگایا۔ عین اُسی موقع پر بیہوش

ہونے سے پہلے بُرّاں کا بھی ایک زور دار وار مشعل کے سر پر پڑ چکا تھا۔ دونوں تڑپ کر ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور قلابازیاں کھاتے ہوئے نیچے زمین پر گرے۔ پہلے ملکہ بُرّاں نیچے گری۔ افراسیاب نے بڑھ کر مُردہ پرندہ اُس کے مُنہ سے لگا دیا۔ بُرّاں کی روح پرندے کے جسم میں منتقل ہو گئی۔ اس کی لاش جلّاد جلانے کے لیے لے گئے۔

اتنے میں مشعل جادُو سخت زخمی حالت میں زمین پر گرا۔ افراسیاب سمجھا وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ مگر جب وہ بھد سے زمین پر گرا اور تڑپنے لگا تو افراسیاب کو فِکر ہوئی۔ چوکنا ہو کر مشعل کی طرف جھپٹا۔ عُمرو مشعل کی لاش سے زیادہ قریب تھا۔ اُس نے الیاسی جال مار کر مشعل کی لاش گھسیٹ لی اور افراسیاب کے پہنچنے سے قبل زنبیل میں ڈال، چادر اوڑھ اپنی فون کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ چادر کی وجہ سے افراسیاب عُمرو کو نہ دیکھ سکا۔

خواجہ عُمرو نے ملکہ مہ جبیں اور شہزادہ اسد کے پاس پہنچ کر چادر اُتاری اور مشعل جادُو کی لاش نکال کر ان کے سامنے ڈال دی۔ اس میں اب بھی جان باقی تھی۔ ملکہ بُرّاں اور دوسری شہزادیوں کی موت سے مہ جبین اور

اسد بہت مشتعل تھے۔ اُنہوں نے حکم دیا کہ تیل کا ایک کڑھاؤ گرم کیا جائے۔ جب تیل کڑکڑانے لگا تو اسد نے مشعل جادُو کی لاش اُٹھا کر اس میں ڈال دی۔ جلتے ہوئے تیل نے ان واحد میں مشعل جادُو کی لاش کوئلہ بنا دی۔ اچانک پورے میدانِ جنگ میں گھُپ اندھیرا چھا گیا۔ بھُوتوں پریتوں کے رونے چنگھاڑنے سے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ خوف ناک آندھیاں چلنے لگیں۔ خاصی دیر بعد شور ہلکا پڑا اور ایک ہیبت ناک آواز ہر طرف گونجنے لگی۔ "مجھے تیل میں جلا کر ہلاک کیا۔ میرا نام مشعل جادُو تھا۔ صرف سات سو تیس سال زندہ رہا۔ دل کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔"

اس آواز کے بعد اندھیرا غائب ہو گیا۔ آندھیاں تھم گئیں۔ افراسیاب نے سر پیٹ لیا۔ مہ جبین کی فوج نے فتح کے نعرے بلند کیے۔

خواجہ عُمرو، اسد اور مہ جبین بھاگے ہوئے اس خیمے میں گئے جہاں اُن کے حامی سرداروں اور شہزادیوں کی لاشیں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ دیکھ کر اُن کی خوشی دوبالا ہو گئی کہ ہر لاش میں زندگی پیدا ہو گئی ہے۔ مشعل جادُو کے

ہاتھ سے انہوں جو زخم لگے تھے ان میں سے تازہ خُون بہہ رہا تھا۔ جادُوگروں، طبیبوں اور جرّاحوں نے اُن کی مرہم پٹّی شروع کر دی۔ دو چار دنوں کے اندر سب کے زخم ٹھیک ہو گئے۔
عُمرو کو اس بات پر سخت تعجّب تھا کہ مشعل جادُو نے ان سب کو زخمی کیا اور افراسیاب نے ان کی روحیں پرندوں کے جسم میں قید کر دیں۔ اس کے باوجود وہ سب کس طرح زندہ ہو گئے! اس نے یہی بات ملکہ بُرّاں سے کہی۔ بُرّاں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بات کچھ پیچیدہ نہیں۔ ہماری روحوں کو افراسیاب نے اپنے جادُو سے نہیں بلکہ مشعل کے جادُو سے قتل کیا تھا۔ مشعل مارا گیا تو ہماری روحیں آزاد ہو گئیں۔"

ملکہ تارِیک شکل

ایک رات اور ایک دن فتح کا جشن منانے کے بعد ملکہ بُرّاں اور طِلسم نُور افشاں کی دوسری شہزادیاں رُخصت ہوئیں۔ چلتے وقت بُرّاں نے عُمرو سے کہا۔ ”خواجہ جی! ہم اب جانے کی اجازت چاہتے ہیں۔ ضُرورت پڑنے پر فوراً حاضر ہو جائیں گے۔ افراسیاب حیرت کی چھاؤنی ہی میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اس پر کڑی نگاہ رکھیے۔ وہ خاموش نہیں بیٹھے گا۔“

عُمرو نے اسے ہر طرح اِطمینان دِلا کر رُخصت کیا۔ اُسے خود بھی افراسیاب سے کھٹکا تھا۔ بُرّاں کے کہنے سے اور بھی احساس ہوا۔ چنانچہ اُدھر بُرّاں وغیرہ طِلسم نُور افشاں کو روانہ ہوئیں اِدھر عُمرو بھیس بدل کر افراسیاب کے دربار میں جا پہنچا۔

دربار میں اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ مشعل جادُو کی موت نے سب کا دل توڑ

کر رکھ دیا تھا۔ افراسیاب کے دِل کو بھی سخت صدمہ تھا مگر چہرے سے ایسا ظاہر کرتا تھا جیسے اُسے کوئی پرواہ نہ ہو۔ اس نے تاج کو سر پر پہلے سے کچھ زیادہ ترچھا کیا اور درباریوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"میں دیکھ رہا ہوں کہ مشعل جادُو کے مارے جانے پر تم لوگ ضرورت سے زیادہ اداس ہو۔ شاید تم میں سے کچھ یہ سمجھتے ہیں کہ اب باغیوں کو سزا دینا مُشکل ہے۔ لیکن سب لوگ اچھی طرح سُن لیں، مشعل جادُو طلِسمی بلاؤں میں سے حقیر ترین بلا تھی۔ مجھ سے تھوڑی سی دیر نہ ہو جاتی اور میں بر وقت اس کی لاش قبضے میں کر لیتا تو ہر گز وہ ہلاک نہ ہوتا۔ بہر حال، اب میں اپنی دائی اماں ملکہ تارِیک شکل کو بُلاؤں گا۔ وہ باغیوں کا سارا حساب بے باق کر دیں گی۔

ملکہ تارِیک شکل کا نام سُن کر سارے درباریوں کو جھُرجھُری سی آ گئی۔ عُمرو نے بھی اندازہ کر لیا کہ تاریک شکل ضُرور مشعل جادُو سے زیادہ طاقت ور بلا ہو گی۔ لیکن وہ کہاں ہے؟ افراسیاب اسے کِس طرح بُلائے گا؟ ان سوالات کا جواب معلوم کرنے کے لیے اُس کا دل بے چین ہو گیا۔

اس عرصے میں افراسیاب نے اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھ کر لفافے میں بند کیا، مُہر لگوائی اور آواز دی۔ "طاؤس حاضِر ہو!"

دربار میں پہلی صف میں بیٹھا ہوا ایک جادُوگر اُٹھ کر افراسیاب کے تخت کے پاس پہنچا اور ادب سے بولا۔ "حکم فرمایئے! غُلام حاضِر ہے۔"

عُمرو نے ان کی طرف کان لگا دیے۔ افراسیاب نے لفافہ طاؤس جادُو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ لے جا کر دائی امّاں کو پہنچاؤ۔ یہ بھی کہہ دینا کہ آپ کا فرزند مُصیبت میں ہے۔ مدد کو نہ پہنچیں تو شکل دیکھنا نصیب نہ ہو گی۔ آپ کی خوراک کا پورا پورا بندوبست کر لیا گیا ہے۔"

طاؤس نے لفافہ تو لے لیا لیکن چہرے پر سخت پریشانی کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس نے کہا "مگر عالی جاہ! وہ کہاں ملیں گی؟"

افراسیاب کے دائیں بازُو پر سونے کا ایک چھوٹا سا عُقاب بازوبند کی طرح بندھا ہوا تھا۔ اس نے وہ عُقاب طاؤس کو دیتے ہوئے کہا۔ "وہ طلِسم ظُلمات کے بیاباں تارِیک میں ملیں گی۔ چھاؤنی سے باہر نِکل کر سونے کے

اس عقاب کو زور سے ہوا میں اُچھال دیا۔ فوراً ایک بہت بڑا عقاب جس پر

زین کسی ہو گی، تمہارے سامنے آئے گا۔ اس پر سوار ہو جانا۔ وہ تمہیں بیابانِ تارِیک کی سرحد تک پہنچا دے گا۔ آگے دھوئیں کا ایک حِصار مِلے گا۔ اس کے بعد آگ کا جنگل ملے گا۔ آگ کے جنگل کے بیچوں بیچ ایک گُنبد نظر آئے گا۔ دائی امّاں وہیں ملیں گی۔"

"عالم پناہ!" طاؤس نے سوال کیا۔ "کیا میں طِلسمی دُھوئیں اور آگ کے جنگل سے خیریت کے ساتھ گزر سکوں گا؟"

افراسیاب نے اپنی ایک انگوٹھی اس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ "اسے پہن کر وہ منزلیں تم آسانی سے سر کر لو گے۔"

خواجہ عُمرو کی دلی مراد بر آئی۔ طاؤس افراسیاب سے رُخصت ہو کر چلا تو وہ فوراً اس کے پیچھے ہو لیے۔ طاؤس کے دوستوں اور ماتحت افسروں کا ایک ہجوم اس کے ساتھ تھا۔ وہ سب اُسے چھاؤنی کے باہر تک چھوڑنے جا رہے تھے۔ خواجہ تو سوچ رہے تھے اتنے مجمع میں طاؤس کو کس طرح قابو میں کیا جا سکتا ہے؟"

آخر کار ایک ترکیب اُن کی سمجھ میں آ ہی گئی۔ وہ ایک گوشے میں گئے اور

سامانِ عیّاری نکال کر بھیس بدلنے لگے۔ پھر جو باہر آئے تو بالکل افراسیاب کے ہرکاروں کے حُلیے میں تھے۔ اتنی دیر میں طاؤس اور اس کے دوست چھاؤنی کے سِرے پر پہنچ چکے تھے۔ عُمرو ان کی طرف دوڑنے لگا۔ ہرکاروں کے گلے میں گھنٹیوں کی مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ دوڑنے پر گھنٹیاں بجنے لگتی تھیں اور لوگ ان کی طرف متوجّہ ہو کر راستہ دے دیا کرتے تھے۔ عُمرو کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹی بھی بج رہی تھی۔ چھاؤنی سے باہر نِکل کر طاؤس جادُو دوستوں سے رُخصت ہو ہی رہا تھا کہ گھنٹیوں کی آواز سُن کر سب چونک پڑے۔ ”شاید شہنشاہ نے کوئی خاص ہدایت روانہ کی ہے۔“ طاؤس نے پیچھے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

عُمرو بھیڑ کو چیرتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔ ”کچھ خاص بات کہنی ہیں۔ الگ چلیے۔“ اس نے طاؤس سے کہا۔

ساتھیوں کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کر کے طاؤس عُمرو کے ساتھ ہو لیا۔ کچھ فاصلے پر گھنی جھاڑیوں کا ایک بڑا سا جھگھٹا تھا۔ عُمرو طاؤس کو اس کی اوٹ میں لے گیا۔ تھوڑی دیر بعد طاؤس وہاں سے نِکل کر تیزی کے ساتھ چلتا

ہوا ساتھیوں کے قریب آیا اور بولا۔ ”آپ لوگوں سے ہاتھ ملانے یا نصیحت وصیّت کرنے کی مہلت نہیں۔ اب میں رُخصت ہوتا ہوں۔“ یہ کہہ کر اُس نے افراسیاب کا دیا ہوا سونے کا عُقاب ہوا میں اُچھال دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایک بہت بڑا عقاب پر پھیلائے اس کے سامنے موجود ہوا۔ ایک آرام دہ چوکی اس کی پیٹھ پر بندھی ہوئی تھی۔ طاؤس اُچھل کر اس چوکی پر سوار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے عقاب آسمان کی طرف اُٹھتا ہوا نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ دیکھنے والے یہی سمجھے کہ طاؤس جادُو روانہ ہوا ہے۔ انہیں کیا پتا کہ طاؤس کے بہروپ میں خواجہ عُمرو تھے اور طاؤس اُن کی زنبیل کے عجائب خانے میں بند پڑا تھا۔

ایک دن اور ایک رات مسلسل فرّاٹے بھرنے کے بعد طِلسمی عُقاب ایک جگہ اُتر کر کھڑا ہو گیا۔ عُمرو نے سامنے نگاہ کی۔ زمین سے آسمان تک گہرے دھوئیں کی دیوار دکھائی دی۔ سمجھ گیا کہ منزل آ پہنچی۔ عقاب پر سے کُود کر زمین پر آیا اور افراسیاب کی انگوٹھی انگلی میں پہن لی۔ اتنے میں وہ بڑا عُقاب جو اُسے لے کر یہاں تک آیا تھا پہلے جیسا سونے کا زیور بن گیا۔ عُمرو

نے اُسے اُٹھا کر بازو میں باندھ لیا اور بے جھجک دُھویں کے حِصار میں داخل ہو گیا۔

دھوئیں کا یہ حِصار طے کرنے کے بعد ایک آگ کا خُوف ناک حِصار سامنے نظر آیا۔ عُمرو پہلے تو گھبرایا مگر پھر بڑے اعتماد کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اس حِصار سے بھی خیریت کے ساتھ گُزر گیا۔

اب عُمرو کے سامنے ایک لق و دق میدان تھا۔ طلِسم ظلمات کا بیابانِ تاریک۔ اس جگہ آسمان کالا تھا۔ زمین بھی کالی تھی۔ جہاں کہیں پودے یا درخت تھے، وہ سب بھی کوئلے کی طرح کالے تھے اور ان کے بیچ میں ایک بڑا گُنبد دکھائی دے رہا تھی۔ عُمرو طاؤس جادُو کے بہروپ میں بڑے اِطمینان کے ساتھ اس گُنبد کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ گنبد کے دربانوں نے اُسے اس طرف آتے دیکھا تو حیران ہو گئے۔ قریب پہنچنے پر ایک نے، جو سردار تھا، پوچھا۔ ”اے شخص! تو کون ہے؟ دھوئیں اور آگ کے حِصار سے بچ کر یہاں کِس طرح پہنچ گیا؟“

”مجھے شہنشاہ افراسیاب نے بھیجا ہے۔ میرا نام طاؤس جادُو ہے۔ جا کر ملکہ

حضُور کو اِطّلاع کر دو۔ ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔"
دربانوں کا سردار گُنبد کے اندر گیا اور کچھ دیر بعد واپس آ کر بولا۔ "چلیے۔"
عُمرو پیچھے ہو لیا۔ سردار اُسے ایک بُلند اور کشادہ ہال میں چھوڑ کر پلٹ آیا۔
ہال کے اندر بلا کا اندھیرا تھا۔ کچھ دیر تک عُمرو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہر برف دیکھتا رہا۔ کہیں کچھ نہ نظر آیا مگر جب اس کی نگاہیں اندھیرے سے مانوس ہو گئیں تو جو کچھ اُس نے دیکھا، دیکھ کر کانپ اُٹھا۔
ہتھنی جتنی ایک کالی بھجنگ دیونی ایک بڑی سی چوکی پر ہاتھ ٹیکے سر جھکائے جھُوم رہی تھی۔ سامنے بہت سے مٹکے رکھے تھے۔ ایک طرف اٹھ نوجوان بندھے پڑے تھے۔ سانس کے ساتھ دیونی کے مُنہ اور ناک سے شعلے نِکل رہے تھے۔ عُمرو سمجھ گیا کہ یہی طِلسمی بلا ملکہ تاریک شکل ہے۔ افراسیاب کا دیا ہوا لفافہ ہاتھ میں لے کر چُپ چاپ کھڑا ہو گیا۔
کچھ دیر بعد تاریک شکل نے سامنے رکھا ہوا ایک مٹکا اُٹھایا اور غٹا غٹ پی گئی۔ پھر ایک بندھے ہوئے نوجوان کو اُٹھایا اور مُنہ میں رکھ کر ہڈیوں سمیت چبانے لگی۔ چار مٹکے پینے اور چار جوانوں کو کھا جانے کے بعد اس

نے نگاہ اُٹھا کر عُمرو کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں انگارے کی طرح دہک رہی تھیں۔ جیسے ہی عُمرو نے اس سے نگاہیں چار کیں، اس کا سارا بہروپ خود بخود اُڑ گیا۔ اب وہ طاؤس جادُو کی بجائے عُمرو نظر آ رہا تھا۔ لیکن اُسے اس بات کی خبر نہ ہوئی۔ اس نے بڑھ کر افراسیاب کا خط تاریک کے ہاتھ میں تھما دیا۔ خط لیتے ہی تاریک نے پنجے میں دبا کر عُمرو کو اُٹھا لیا اور ہنستے ہوئے کہنے لگی۔ "کیوں رے عیّار! میرے بیٹے افراسیاب کا دُشمن ہو کر خود ہی اُس کا خط لے کر آیا ہے۔ بول چبا جاؤں؟"

اب جا کہ عُمرو سمجھا کہ بھید کھُل گیا ہے۔ بولا۔ "ملکۂ عالم! آپ کی تعریفیں سُن سُن کر دیوانہ ہو چکا تھا۔ خُدا کی قسم جیسا سُنا تھا اس سے زیادہ پایا۔ قربان جاؤں کیا ناک نقشہ ہے۔ کیا رنگ ہے۔ کیا آواز ہے۔ بس آج سے افراسیاب کی دُشمنی ختم ہے۔ جیسے آپ کا بیٹا ویسا میرا۔"

"باتیں خوب بناتا ہے۔" تاریک خُوش ہوتے ہوئے بولی۔ "موئے، اگر تجھ میں نری ہڈّیاں نہ ہوتیں تو ابھی چٹ کر جاتی۔" یہ کہہ کر تاریک نے عُمرو کو چھوڑ دیا۔ عُمرو دُعائیں دینے لگا۔ تاریک نے ایک مٹکا پی کر ایک

جوان کو مُنہ میں دبایا اور اُسے چباتے ہوئے افراسیاب کا خط پڑھنے لگی۔ عُمرو نے موقع غنیمت جانتے ہوئے ایک مٹکے میں اِتنا بے ہوشی کا سفوف ملا دیا جس سے ایک ہزار آدمی بے ہوش ہو سکتے تھے۔

خط پڑھ کر تاریک بڑبڑائی۔ "میں ضرور اپنے بیٹے کی مدد کو جاؤں گی۔ ایک دُشمن کو بھی جیتا نہ چھوڑوں گی۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے وہ مٹکا اُٹھایا جس میں عُمرو نے بے ہوشی کا سفوف ملا دیا تھا۔ عُمرو کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ تاریک ایک ہی سانس میں پورا مٹکا خالی کر گئی۔ پھر بولی۔ "شاباش عُمرو شاباش! مٹکوں پر مٹکے پی جایا کرتی تھی۔ آنکھ تک گرم نہ ہوتی تھی۔ اب تو نے جو کچھ مِلا دیا ہے اِس سے کچھ سُرور سا آگیا ہے۔ ذرا چار پانچ مٹکوں میں وہی چیز اور ملا دے۔"

عُمرو کے پیروں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔ "مم میں نے تو کچھ نہیں ملایا۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

"جھوٹا کہیں کا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" تاریک شکل نے جھڑکتے ہوئے کہا۔ "بس چار پانچ مٹکوں میں اور ملا دے وہی چیز۔ فکر

نہ کر۔ قیمت سے زیادہ انعام دوں گی۔"
پہلے تو عُمرو کو ڈر ہوا کہ کہیں تاریک اسے بیہوشی کی دوا ملانے کی سزا نہ دے۔ مگر اب یقین ہو گیا کہ جو کچھ وہ کہہ رہی ہے وہی اس کے دل میں ہے۔ اس نے دوگنی مقدار کا سفوف بے ہوشی مٹکوں میں ملا دیا۔
تھوڑی ہی دیر میں تاریک نے سامنے رکھے ہوئے سارے مٹکے خالی کر دیے اور جھومتے ہوئے کہنے لگی۔ "آج تو نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ افراسیاب کے ایک ایک دُشمن کو کچّا چبا جاؤں گی، پر تُجھے ہاتھ نہ لگاؤں گی۔ پر شرط یہ ہے کہ تیرے پاس جتنا بچا کھچا سفوف ہو مجھے دے دے اور جاتے ہی میرے لیے اور بھی تیّار کرا کے رکھ لے۔ دو چار دن میں وہاں پہنچ کر تجھ سے لے لوں گی۔ روپے کی بالکل فکر نہ کرنا۔ دُگنی تگنی قیمت ملے گی۔"
عُمرو نے کوئی سیر بھر کے قریب سفُوف تاریکی کے حوالے کر دیا اور بولا۔ "ملکہ صاحبہ! ف الحال میرے پاس اتنا ہی بچا ہے۔ روپے مل گئے تو وعدہ کرتا ہوں آپ کے پہنچتے پہنچتے اور بھی تیّار کرا لوں گا۔"

"بس تو پھر اِسی وقت واپس جا۔" تاریک نے کہا۔ "روپے تُجھے افراسیاب سے مِل جائیں گے۔"

"نہیں حضور۔" عُمرو ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "افراسیاب میرا جانی دُشمن ہے۔ اس کے پاس نہ جاؤں گا۔"

"ہوش کی باتیں کر۔" تاریکی گرج اُٹھی۔ "تجھے افراسیاب کے پاس جانا ہو گا اور میرا قاصد بن کر جانا ہو گا۔ تیرے ساتھ بدی کرنے کا مطلب میرے ساتھ بدی ہو گا۔ افراسیاب ہرگز ایسی بات نہ کرے گا۔"

یہ کہہ کر تاریک نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک خط عُمرو کو دیا اور کہنے لگی۔ "مجھے وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگے گی۔ اگر افراسیاب نے میری تحریر کے مطابق تجھ سے سلوک نہ کیا تو تُو خود دیکھے گا کہ میں اُس کے ساتھ کیا کرتی ہوں۔"

خواجہ عُمرو اُسے ہر طرح اِطمینان دلا کر رُخصت ہوئے۔ اُنہیں اس بات کا بڑا افسوس تھا کہ تاریک کے قریب پہنچ کر بھی وہ اُسے ہلاک نہ کر سکے۔ پھر انہیں یہ فکر بھی کھائے جاتی تھی کہ یہ بلا آ کر میرے ساتھیوں پر قہر

ڈھائے گی۔ ان کا دل بالکل نہ چاہتا تھا کہ وہ افراسیاب کے پاس جائیں مگر راستے میں انہوں نے تاریک کا دیا ہوا خط کھول کر پڑھا تو مُنہ میں پانی بھر آیا۔ لکھا تھا۔ ”عُمرو نے مجھے بہت خوش کیا ہے۔ فوراً ایک لاکھ روپے اور خلعت دے کر عزّت کے ساتھ اسے جانے دینا۔ میں جلد پہنچ رہی ہوں۔ تیرے سارے دُشمنوں کو یا تو تیرے قدموں پر جھُکا دوں گی یا نیست و نابود کر دوں گی۔“

افراسیاب نے جو عُمرو کو بغیر کسی بہروپ کے بے جھجک آتے دیکھا تو اس کا ماتھا ٹھنک گیا۔

عُمرو نے تخت کے قریب پہنچ کر ادب سے افراسیاب اور حیرت کو سلام کیا اور ملکہ تاریک شکل کا خط افراسیاب کے ہاتھ میں دے دیا۔

”میں نے تو طاؤس جادُو کو دائی امّاں کے پاس بھیجا تھا۔ تو ان کا خط لے کر کیسے آ گیا؟“ افراسیاب نے عُمرو سے پُوچھا۔

”حضُور گستاخی معاف۔“ عُمرو نے زنبیل میں سے طاؤس جادُو کر نکال کر فرش پر لڑھکاتے ہوئے جواب دیا۔ ”طاؤس کو سنبھالیے۔ اپنی دائی امّاں کا

خط پڑھے۔ بندہ زیادہ سوال جواب کی طاقت نہیں رکھتا۔ مجھے دادی امّاں کی فرمائش پوری کرنی ہے۔ جلدی رُخصت کیجیے۔"

اب جو افراسیاب نے خط پڑھا تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ جی میں تو آئی کہ ایک منتر پڑھ کر دم کے دم میں عُمرو کو بھسم کر دے، مگر تاریک شکل کی ہدایت اڑے آئی۔ ایک لاکھ روپیہ بھی دیا، خلعت بھی دی اور عزّت کے ساتھ اُسے رُخصت کر دیا۔

مہ رُخ کی چھاؤنی میں ہر شخص عُمرو کے لیے پریشان تھا۔ یہ بات تو اس کے دوستوں کو معلوم ہو چکی تھی کہ بُرّاں کی ہدایت کے مطابق وہ سُن گُن لینے افراسیاب کے لشکر میں گئے تھے۔ مگر پھر کیا ہوا؟ یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ ان کی گرفتاری کی بھی کوئی خبر کہیں سے نہیں آئی تاہم ان کی پراسرار غیر حاضری دوستوں کے دلوں میں طرح طرح کے وہم پیدا کر رہی تھی۔ اس حالت میں وہ چھاؤنی میں پہنچے تو ہر ایک نے خُدا کا شکر ادا کیا۔

تاریک شکل جیسی خوف ناک بلا کے گھر تک جا پہنچنا اور اس سے مل کر بھی زندہ سلامت واپس آ جانا اور افراسیاب جیسے دُشمن سے انعام وصول کرنا،

یہ سب عُمرو کے لیے کارنامے تھے کہ جس نے بھی سُنے دانتوں میں اُنگلی دبا لی۔

شہزادہ اسد، ملکہ مہ جبیں، ملکہ بہار وغیرہ کو جب عُمرو نے یہ بتایا کہ ڈھیروں سفوف بے ہوشی پی جانے کے باوجود تاریک کا کچھ نہ بگڑا تو وہ سب فکرمند ہو گئے کہ اس بلا سے آخر کِس طرح نپٹا جائے گا۔ اس مسئلے پر کافی دیر تک بحث کرنے کے بعد سب اسی نتیجے پر پہنچے کہ شہنشاہ کوکب سے مدد طلب کی جائے۔

عُمرو نے خط لکھ کر بِلّور چہار دست کے حوالے کیا۔ چوتھے دن وہ جواب لایا کہ تاریک شکل بلائے بے درماں ہے۔ اس پر کسی کا جادُو چل سکتا ہے نہ ہتھیار۔ نہ عیّاری سے زیر کیا جا سکتا ہے نہ مکّاری سے۔ میرے پاس اس کے خلاف کوئی تدبیر نہیں۔ پھر بھی اپنے بزرگ نُور افشاں اور اُستاد برہمن روئیں تن کے پاس جاتا ہوں۔ وہ ضُرور کوئی نہ کوئی ترکیب نکالیں گے۔ اس درمیان میں اگر وہ بلا آ پہنچے تو لڑائی کو جتنا ٹال سکیں ٹالیں۔ میں جلد سے جلد آپ تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔

اچانک ملکہ حیرت کی چھاؤنی میں خوشی کے نقّارے بجنے لگے۔ عُمرو سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ بھیس بدل کر وہ بھی وہاں جا پہنچا۔ پتا چلا کہ ملکہ تاریک شکل آگئی ہے۔ بار گاہِ خاص میں افراسیاب اس کی آؤ بھگت کر رہا ہے۔

عُمرو بار گاہ میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑے تخت پر تاریک بیٹھی جھُوم رہی ہے۔ قریب کے دوسرے تخت پر افراسیاب اور ملکہ حیرت بیٹھے ہیں۔ تخت کے سامنے کرسیوں پر افراسیاب کے خاص خاص مشیر سر دار اور افسر بیٹھے ہیں۔ خادموں کا ایک گروہ شربت کی صُراحیاں لا کر سامنے رکھتا ہے۔ دوسرا گروہ جانوروں اور پرندوں کا بھُنا ہوا گوشت لا کر اس کے سامنے رکھ رہا ہے۔ تاریک کچھ دیر تخت پر ہاتھ ٹیک کر جھُومتی ہے پھر ایک صُراحی مُنہ میں لگا کر غٹا غٹ پی جاتی ہے۔ گوشت سے بھری ہوئی بڑی بڑی قابیں ایک نوالہ بناتی ہے اور جھُومنے لگتی ہے۔

آخر کار آدھی سے زیادہ صُراحیاں اور گوشت کی قابیں صاف کرنے کے بعد تاریک نے ایک زور دار ڈکارے لے کر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائی اور

افراسیاب کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”میں نے پتا کر لیا ہے۔ تیرے دُشمنوں کی چھاؤنی میں ایک بھی ایسا نہیں جو مجھ سے آنکھ ملا سکے۔ سب وہی ہیں جو کبھی تیرے غلام تھے۔ مجھے حیرت ہے کہ تو اُن کے مُقابلے میں اتنا عاجز آیا کہ مدد کے لیے مُجھے تکلیف دی۔“

افراسیاب نے جواب دیا۔ ”دائی امّاں، معاملہ اس سے زیادہ نازک ہے جیسا آپ نے سمجھا ہے۔ باغیوں کی میری نظر میں کوئی وقعت نہیں مگر مصیبت یہ ہے کہ شہنشاہ کوکب اور اس کا استاد برہمن روئیں تن بھی میرے دُشمن ہو گئے ہیں۔ جب بھی میں باغیوں پر غلبہ پاتا ہُوں وہ اُن کی مدد کے لیے فوجیں بھیج دیتے ہیں یا خود آن موجود ہوتے ہیں۔“

”اچھا! تو کوکب اور برہمن کے بھی اتنے حوصلے ہو گئے کہ تیرے مُنہ آنے لگے۔“ تاریک گرجتے ہوئے بولی۔ ”اب میں پہلے اِن دونوں کی خبر لیتی ہوں۔“ یہ کہہ کر باریک نے اپنی جھُولی سے نقشِ جمشیدی نکالا اور ہتھیلی کے نیچے دبا کر اُس پر اپنا زور ڈالنے لگی۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہکنے لگیں۔ ناک اور مُنہ سے شُعلے نکلنے لگے۔

ملکہ تاریک میدانِ عمل میں

اس وقت اس جگہ سے سینکڑوں میل دُور شہنشاہ کوکب اپنے طلِسم میں اپنے اُستاد برہمن روئیں تن سے عُمرو کی مدد کے لیے صلاح مشورہ کر رہا تھا۔ جیسے ہی تاریک شکل نے نقشِ جمشیدی پر دباؤ ڈالنا شروع کیا، ان دونوں کی حالت غیر ہو گئی۔ یا تو وہ تاریک شکل کو ختم کرنے کی تجویز سوچ رہے تھے یا خوف سے پیلے پڑ گئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ جلد سے جلد ملکہ تاریک شکل سے معافی مانگ کر افراسیاب کی حمایت کرنی چاہیے۔ آخر کار اُستاد شاگرد جس حالت میں بیٹھے تھے اُسی حالت میں اُٹھے اور تیزی کے ساتھ اُڑتے ہوئے طلِسم ہوش رُبا کی طرف چل دیے۔

ان دونوں کا پِیر نُور افشاں جادُو اس وقت اپنے محل کی چھت پر ٹہل رہا تھا۔ کوکب اور برہمن اُڑتے ہوئے چلے جا رہے تھے کہ اس کی نگاہ ان پر

پڑ گئی۔ جادُو کی طاقت سے دونوں کو اپنی چھت پر اُتار کر اس نے پوچھا۔
”خیر تو ہے؟ تم لوگ کہاں اُڑے چلے جا رہے تھے؟“
”اُستاد! عُمرو کو دوست اور افراسیاب کو دُشمن بنا کر ہم نے اپنے حق میں بہت بُرا کیا ہے۔“ برہمن روئیں تن نے کہا۔ ”اب ہم اس غلطی کی معافی مانگنے افراسیاب کے پاس جا رہے ہیں۔“
نُور افشاں سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ ان پر ضُرور کِسی کا جادُو چل گیا ہے۔ دونوں اپنے آپ میں نہیں۔ یہ سوچ کر اُس نے کہا۔ ”اگر تم لوگ کچھ دیر ٹھہر جاؤ تو میں بھی تمہارے ساتھ چلنے کو تیّار ہوں۔“
وہ دونوں راضی ہو گئے۔ نُور افشاں نے انہیں ایک ایک گلاس شربت کا بھر کے دیا اور کہنے لگا۔ ”لو۔ تم شربت پیو۔ میں تیّار ہو کر آتا ہوں۔“
نُور افشاں ایک کمرے میں چلا گیا اور کوکب و برہمن شربت پینے لگے۔ شربت ختم کرتے ہی دونوں پر گہری بے ہوشی طاری ہو گئی۔ نُور افشاں نے اُن کی جگہ اپنے دو غُلام اُن کے بہروپ میں فوراً طلِسم ہوش رُبا کی طرف روانہ کر دیے۔

اُدھر تاریک شکل نقشِ جمشیدی پر دباؤ ڈالتے ہوئے رو رو کر کہہ رہی تھی۔ "کوکب اور برہمن حاضِر ہوں۔"

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ کوکب اور برہمن گھبرائے ہوئے بارگاہ میں پہنچے۔ اُنہیں دیکھتے ہی تاریک نے قہقہہ لگایا اور بولی۔ "کیوں رے نالائقو! دماغ درست ہوا یا نہیں؟"

برہمن روئیں تن نے جواب دیا ہے۔ "ملکہ! اپنی طاقت کی بجائے تو ہم پر نقشِ جمشیدی کا اثر ڈال رہی ہے۔ اسے جلا کر بات کر تو شاید ہم بھی کچھ کہہ سکیں۔"

تاریک شکل نے شیخی میں آکر اُسی وقت نقشِ جمشیدی کو اُٹھا کر آتش دان میں ڈال دیا اور بولی۔ "لو! نقشِ جمشیدی جلا دیا۔ اب کیا کہتے ہو؟ افراسیاب سے معافی مانگتے ہو کہ نہیں؟"

دونوں نے کڑک کر جواب دیا۔ "اے ملکہ! تیرے سوال کا جواب شہنشاہ کوکب اور برہمن روئیں تن خود دیں گے۔ ہم تو اُستاد نُور افشاں کے معمولی غلام ہیں۔" یہ کہہ کر دونوں نے جو اپنے چہروں پر ہاتھ پھیرا تو سارا روپ

غائب تھا۔

"کوئی بات نہیں۔" تاریک غصّے سے بولی۔ "کوکب اور برہمن سے پھر نپٹ لُوں گی۔ فی الحال تو تمھیں سے اپنا کلّہ گرم کروں گی۔" یہ کہہ کر وہ اُن کی طرف لپکی کہ پکڑ کر کھا جائے مگر دونوں غُلام پھُرتی سے پیچھے ہٹے اور زمین میں ڈُبکی لگا کے غائب ہو گئے۔

تاریک شکل افراسیاب کی طرف پلٹ کر گرجی۔ "نُور افشاں نے میرے معاملے میں دخل دے کر اپنے حق میں کانٹے بو لیے ہیں۔ اُسے بھی نہ چھوڑوں گی۔" یہ کہہ کر تنتناتی ہوئی بارگاہ سے نِکل کر چل دی۔

عُمرو کے دل کو بڑی ڈھارس ہو گئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ نُور افشاں اگر نقشِ جمشیدی کا توڑ کر سکتا ہے تو اس بلا سے نجات دلانے کی بھی کوئی ترکیب کر سکتا ہے۔ جن لفظوں میں تاریک نے نُور افشاں کا ذکر کیا تھا، اس سے عُمرو نے یہ بھی اندازہ کر لیا کہ تاریک نُور افشاں کو حقیر نہیں جانتی بلکہ اس کُچھ نہ کُچھ لحاظ بھی کرتی ہے۔

تاریکی بارگاہ سے نِکل کر میدانِ جنگ میں آئی اور مہ رُخ کی چھاؤنی کے

قریب پہنچ کر مُنہ سے دھواں چھوڑنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے دھوئیں کا ایک مکان وہاں قائم ہو گیا۔ تاریکی اس کے اندر جا کر بیٹھ رہی اور دو طلِسمی پُتلے باہر پہرہ کے لیے بٹھا دیے۔ یہ دیکھ کر افراسیاب نے اپنے ہمراہیوں کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔

دوسرے دن سورج نکلتے نکلتے دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ مگر لڑنے کے لیے کسی طرف سے کوئی بھی میدان میں نہ آیا۔

اسی وقت تاریک بھی نیند سے بیدار ہوئی اور دھوئیں میں سے سر نکال کر پہرا دینے والے طلِسمی پُتلوں میں سے ایک کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ ”کل رات سے مُنہ کا مزہ خراب ہے۔ ایک آدمی بھی نہیں کھایا۔ دُشمن کے لشکر سے ذرا نہاری کا تو بندوبست کر۔“

اپنے طور پر تاریکی نے یہ بات بڑے آہستہ سے کہی تھی مگر یہ اتنی تند و تیز آواز تھی کہ دونوں طرف کے لاکھوں آدمیوں نے ایک ایک لفظ صاف طور پر سُن لیا۔ پُتلا عُمرو کے حامیوں کی طرف بڑھا تو افراسیاب کے چہرے

پر بے چینی کے آثار دکھائی دینے لگے۔ پُتلے نے قریب پہنچنے پر عُمرو کے حامیوں کو للکار کر کہا۔ "ملکہ تاریک شکل تم میں سے کچھ کو نہاری کے طور پر کھانا چاہتی ہیں۔ جس کو اپنی جان پیاری نہ ہو آ کر مُجھ سے مُقابلہ کرے۔"

عُمرو کے لشکر سے ملکہ فرمانیہ سامنے آئی۔ دونوں میں جادُو کے ہتھیار چلے جس کے بعد پُتلا فرمانیہ پر غالب آیا اور اسے باندھ کر دھوئیں کے مکان کی طرف چلا۔ وہاں تاریک سر نکالے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ پُتلے نے فرمانیہ کو اس کے حوالے کیا تو اس نے فرمانیہ کے جسم کو ٹٹول کر دیکھنے کے بعد کہا۔ "اس ایک سے کام نہ چلے گا۔ ایسے کم سے کم پچاس آدمی ہوں۔" یہ سُن کر پُتلا پلٹ کر میدانِ جنگ کی طرف چلا اور تاریک نے نوچ نوچ کے فرمانیہ کو کھانا شروع کر دیا۔

دو گھنٹے کی لڑائی میں پُتلے نے ایک ایک کر کے عُمرو کے چالیس سرداروں کو گرفتار کر کے تاریک کے سامنے پیش کیا اور تاریک ان سب کو مزے لے لے کر کھا گئی۔ پھر تو یہ تاریک کا روزمرّہ کا معمول بن گیا۔ صُبح دوپہر شام

جب اس کا جی چاہتا پُتلوں کو لڑائی کا حکم دیتی۔ وہ تیس چالیس آدمی گرفتار کر کے لاتے اور تاریک انہیں کھا کر اپنی بھوک مٹاتی۔ اس بات سے عُمرو کے حامیوں میں زبردست خوف وہراس پیدا ہو گیا۔ آخرکار ملکہ مہ جبین، شہزادہ اسد، ملکہ مہ رُخ اور ملکہ بہار اور مخمور وغیرہ نے عُمرو سے کہا کہ جا کر افراسیاب کو سمجھائے کہ یہ جنگ کا طریقہ نہیں کہ جو قابو میں آئے اُسے کھالیا جائے۔

عُمرو نے افراسیاب سے جا کر کہا۔ ”شہزادہ اسد اور شاگردوں کے علاوہ میرے حامیوں میں جتنے لوگ آپ کی رعایا ہیں یا سردار اور شہزادیاں ہیں، وہ آج آپ کے باغی ہیں تو کل پھر فرماں بردار ہو سکتے ہیں۔ یہ بات مناسب نہیں کہ جو گرفتار ہو اُسے آپ کی دائی امّاں اُسی وقت کھا جائیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ گرفتار ہونے والا قید میں رکھا جائے اور اس بات کا موقع دیا جائے کہ سوچ سمجھ کر کوئی آخری فیصلہ کر سکیں۔“

افراسیاب کو خود بھی یہ بات پسند نہ تھی۔ اس نے عُمرو سے کہا۔ ”خواجہ جی! آپ کی بات ٹھیک ہے۔ مگر میں دائی امّاں کو اس کام سے منع کرنے کی

ہمّت نہیں رکھتا۔ نُور افشاں کا کچھ لحاظ کرتی ہیں۔ اگر آپ اس کا خط لے کر آجائیں تو میں امّاں کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

عُمرو نے اپنی چھاؤنی میں واپس آکر نُور افشاں کے نام ایک خط لکھا۔ ملکہ مہ رُخ کا ایک طِلسمی پُتلا اس خط کو لے کر روانہ ہو گیا۔ رات ہی رات میں وہ پُتلا نُور افشاں کے لکھے ہوئے دو خط لے کر روانہ ہو گیا۔ ایک خط ملکہ تاریک شکل کے نام تھا۔ دوسرا عُمرو کے لیے تھا۔ عُمرو کو اس نے لکھا تھا کہ حوصلے سے کام لیں۔ لڑائی کو جتنا لمبا کھینچ سکیں کھینچیں۔ میں تیغِ جمشیدی (جمشید کی تلوار) حاصل کرنے کی فکر میں ہوں۔ جو جان جوکھم کا کام ہے۔ پھر بھی نااُمّید نہیں ہوں۔ تاریک شکل اس تیغ کے علاوہ اور کسی ہتھیار سے ہلاک نہ ہو سکے گی۔"

نُور افشاں کے اس خط سے عُمرو اور اس کے ساتھیوں کو تھوڑی ڈھارس ہوئی۔ سب نے فیصلہ کیا کہ عام لڑائی کے بجائے ایک ایک آدمی بھیج کر تاریک کے پُتلوں سے جنگ کی جایا کرے لیکن اس بات کا انتظام کر لیا جائے کہ ہمارا کوئی بھی سردار گرفتار ہو، تاریک اُسے کھا جانے کی بجائے

اپنی قید میں رکھے۔

نُور افشاں نے تاریک کو جو خط لکھا تھا اس میں اس سے یہی اپیل کی گئی تھی۔ عُمرو خط لے کر سیدھا افراسیاب کے پاس گیا اور افراسیاب عُمرو کے ساتھ تاریک کے دھوئیں کے مکان پر پہنچا۔ پہرے دار پُتلوں نے جا کر تاریک کو خبر کی۔ اس نے دونوں کو اندر بُلوا لیا۔

عُمرو کو دیکھتے ہی تاریک کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ ”کیوں رے عیّار!“ اس نے جھڑکتے ہوئے کہا۔ ”مجھے آئے اتنے دن ہو گئے، تو سلام کو بھی نہ آیا۔ میرے لیے نسخہ تیّار کرایا یا نہیں۔“

عُمرو نے جواب دیا۔ ”حضور ملکہ صاحبہ! میں آپ کے لیے سفوف تیّار کرانے ہی میں لگا ہوا تھا۔“ پھر زنبیل سے ایک بنڈل نِکال کر اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ”فی الحال اتنا سفوف تیّار ہو چکا ہے۔ باقی دو چار دِن میں پہنچا دُوں گا۔“

تاریک شکل نے بنڈل کھول کر مُٹّھی بھر سفوف بے ہوشی ایک مٹکے میں ملایا اور غٹا غٹ پی کر افراسیاب سے مخاطب ہوئی۔ ”اور تو اس عیّار کے

ساتھ کیسے آیا؟ کیا باغی اطاعت قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں؟"

"نہیں دائی اماں۔" افراسیاب نے کہا "یہ عُمرو میرے پاس ایک درخواست لے کر آیا تھا اور نُور افشاں کا ایک سفارشی خط بھی لایا ہے۔"

اتنے میں عُمرو نے بڑھ کر نُور افشاں کا خط تاریک کو دے دیا۔ تاریک خاموشی سے خط پڑھنے لگی۔ "اچھا تو یہ بات ہے!" خط ختم کر کے وہ بولی۔ "لیکن کان کھول کر سُن لو۔ مدّتوں بعد میں بیابانِ تاریکی سے نِکل کر یہاں آئی ہُوں۔ دال دلیے پر گُزر نہیں کروں گی۔ آدمی ضرور کھاؤں گی۔ اگر تم چاہتے ہو کہ گرفتار ہونے والوں کو نہ کھاؤں تو میری خوراک کے لیے تیس چالیس تندرست اور جوان آدمیوں کا بندوبست کرو۔ بولو، کیا کہتے ہو؟"

"مجھے منظور ہے۔" عُمرو بول اٹھا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ روزانہ تیس چالیس آدمی آپ کے پاس پہنچا دیا کروں گا۔"

"اچھا تو جاؤ۔ میں بھی وعدہ کرتی ہوں کہ لڑائی میں گرفتار ہونے والوں کو نہ کھاؤں گی۔"

شہزادہ اسد، مہ جبین اور مہ رُخ وغیرہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے عُمرو سے کہا۔ ”خواجہ! آپ بڑی مُشکل شرط مان کے آئے ہیں۔ اس بلا کی خوراک کے لیے تیس چالیس آدمی روزانہ ہم کہاں سے لائیں گے؟“

”آپ لوگ بالکل پریشان نہ ہوں۔ یہ معاملہ ہم پر چھوڑ دیں۔“ یہ کہہ کر عُمرو نے اپنے شاگرد عیّاروں مہتر قیران، برق فرنگی، جان سوز اور ضرغام کو بُلا کر راز داری کے ساتھ ان سے کُچھ کہا۔ عُمرو کی بات سُن کر وہ سب دوڑتے ہوئے چھاؤنی سے باہر نِکل گئے۔

اس دن کے بعد روزانہ سورج نکلنے سے پہلے تیس چالیس آدمی تاریک کی خوراک کے لیے پہنچا دیے جاتے اور تاریک کے پُتلے دن بھر کی جنگ کے بعد عُمرو کے حامی جتنے سرداروں کو گرفتار کرتے، تاریک اُنہیں اپنے دھوئیں کے مکان میں قید کر دیتی۔

افراسیاب کی فوج روزانہ صف بستہ ہو کر اس لڑائی کا تماشا دیکھا کرتی۔ خود جنگ میں کوئی حصّہ نہ لیتی۔ لیکن اس کے باوجود اندر ہی اندر اُس میں بے چینی پیدا ہو رہی تھی۔ اور ایک دِن جیسے ہی اُسے صف بستہ ہونے کا حکم دیا

گیا، ہر طرف ہلڑ ہونے لگا۔ سپہ سالار نے سرداروں کو بُلا کر ڈانٹا تو وہ کہنے لگے۔

”جب سے ملکہ تاریک آئی ہیں، روزانہ کسی کا بھائی گُم ہو جاتا ہے، کِسی کا بھتیجا اور کِسی کا بیٹا۔ شہنشاہ کو کہیے۔ یہ آدمی غائب ہونے کا سلسلہ ختم نہ ہوا تو ایک بھی آدمی لشکر میں نہ رہے گا۔ سب بھاگ جائیں گے۔“

سپہ سالار نے جا کر افراسیاب کو خبر دی۔ افراسیاب گھبرایا ہوا ملکہ تاریک کے پاس پہنچا۔ اس صُبح عُمرو نے تاریک کے پاس پچاس آدمی پہنچائے تھے۔ اس نے چند ایک کو کھایا تھا باقی اُس کے سامنے رسّیوں سے بندھے غیں غیں کر رہے تھے۔ افراسیاب نے جاتے ہی کہا۔ ”دائی امّاں آپ نے تو غضب کر دیا۔ میرے سینکڑوں سپاہی غائب ہیں۔ فوج میں بغاوت پھیل رہی ہے۔ اُنہیں کھانے سے بہتر تو یہی تھا کہ آپ مجھے کھا جائیں۔“

”یہ تو کیا کہہ رہا ہے۔“ تاریک تنتنا کر بولی۔ ”مجھ سے قسم لے لے جو میں نے تیرے آدمیوں کو ہاتھ بھی لگایا ہو۔ عُمرو خود روزانہ اِتنے آدمی بھیج دیتا ہے کہ مجھے اور کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔“

افراسیاب بولا "ایسا معلوم ہوتا ہے عُمرو نے مُجھے اور تُجھے دونوں کو سخت دھوکے میں رکھا ہے۔"

تاریک نے ایک اور آدمی کو کھانے کے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ رُک کر بولی۔ "کیا مطلب؟ وہ تیرے آدمیوں کو چُرا کر میرے پاس بھیج دیتا ہے؟"

"میں یہی سمجھتا ہوں۔" افراسیاب نے جواب میں کہا اور غور سے بندھے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

تاریک بولی "مگر تیرے آدمیوں کی شکل و صورت اور لباس تو ان سے مختلف ہوتا ہے۔"

"شکل و صورت اور لباس بدلنا تو عُمرو کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔" افراسیاب نے جواب دیا اور بندھے ہوئے ایک آدمی کے قریب پہنچ کر پانی کا چھینٹا اُس کے مُنہ پر مارا تو اس کے چہرے کا رنگ و روغن اُڑ گیا۔ سپہ سالار اُسے دیکھتے ہی پُکارا۔ "ارے! یہ تو فلاں دستے کے سردار کا بھائی ہے۔"

تاریک غصّے سے آگ ہو گئی۔ وہ کھڑے ہوتے ہوئے گرجی۔ ''عُمرو کو اس دھوکے بازی کی ایسی سزا دوں گی کہ زندگی بھر یاد کرے گا۔''

یہ کہہ کر چیختی چنگھاڑتی عُمرو کے لشکر پر ٹُوٹ پڑی۔ افراسیاب کے لشکر میں ہونے والے ہُلڑ سے وہ سب چوکنّا ہو چکے تھے۔ تاریک کو غصّے سے اپنی جانب لپکتے دیکھ کر اُن کے ہوش اُڑ گئے۔ جس کا جِدھر مُنہ اُٹھا بھاگنے لگا۔ مہ رُخ، بہار اور اسد نے آگے بڑھ کر مُقابلہ کرنا چاہا تو عُمرو نے انہیں بڑی سختی سے منع کرتے ہوئے جان بچانے کی ہدایت کی۔ اپنے عیّار شاگرد ضرغام کو اس نے خاص طور پر شہزادہ اسد کی حفاظت کرنے کا حکم دیا۔ ضرغام اسد کو ساتھ لے کر کُچھ جاں نثاروں سمیت ایک درّے میں جا چھُپا۔ دوسرے لوگ بھی بھاگ بھاگ کر محفوظ مقامات میں پناہ لینے لگے۔

تاریک ہر فرط جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہی تھی۔ جو سامنے پڑ جاتا بچ کر نہ جانے پاتا۔ تھوڑی دیر میں اس نے سینکڑوں آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔

یہ رنگ دیکھ کر ملکہ حیرت جادُو کو ڈر ہوا کہ کہیں اس کی بہن بہار بھی اس ہڑبونگ میں جان سے نہ جائے۔ اس نے افراسیاب سے کہا۔ ''فساد کی جڑ

طلِسم کُشا شہزادہ اسد ہے۔ سب کے عِوض اگر دائی امّاں صرف اُسے کھا جائیں تو جھگڑا ختم ہو جائے۔ باقی لوگ خود راہِ راست پر آجائیں گے۔"

افراسیاب کو یہ بات پسند آئی۔ اس نے فوراً ایک کاغذ نکال کر ملکہ تاریک کو اس مطلب کی عرضی لکھی اور پھُونک مار کر کاغذ کو اُڑا دیا۔ تاریک عُمرو کے لشکر میں تباہی مچاری تھی کہ وہ کاغذ اُڑتا ہوا اس کی نگاہوں کے سامنے جا کر ٹھہر گیا۔ تاریک نے افراسیاب کی عرضی پڑھ کر سپاہیوں کو چیرنا پھاڑنا بند کر دیا اور ہر طرف نگاہیں دوڑا کر شہزادہ اسد کو ڈھونڈنے لگی، جادُو کی طاقت سے اُسے یہ معلوم ہو گیا کہ اسد کِس درّے میں پوشیدہ ہے۔ وہ اس کی طرف لپکی۔

شہزادہ اسد درّے میں اپنے جاں نثاروں کے درمیان بیٹھا سستا رہا تھا۔ ضرغام جسے عُمرو نے اسد کی حفاظت کرنے کی ہدایت کی تھی، پتا نہیں کہاں غائب ہو گیا تھا کہ اچانک درّے کے اوپر سے آوازیں آنے لگیں۔ "شہزادے صاحب بھاگیے۔ تاریک پہنچا چاہتی ہے۔" یہ اُن لوگوں کی آوازیں تھیں جو چوکسی کرنے کے لیے بُلندی پر تعینات تھے۔ اسد نے

تلوار کھینچ لی اور بولا۔ ”جسے بھاگنا ہو بھاگ جائے۔ میں اس ڈائن کا مُقابلہ کروں گا۔“

کُچھ جان نثار گھوڑے لانے کے لیے دوڑے، کُچھ اسد کو سمجھانے لگے۔ جو لوگ گھوڑے لینے گئے تھے وہ جلد واپس آ گئے۔ سب کے سمجھانے بُجھانے پر آخر کار اسد بھاگ جانے پر راضی ہو گیا۔ لیکن وہ ابھی گھوڑے پر نہ سوار ہو پایا تھا کہ تاریک آ پہنچی۔

”خبر دار! تو مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔“ تاریک چنگھاڑتی ہوئی اُس کی طرف لپکی۔ وہ بھاگنے کی بجائے تلوار کھینچ کر تاریک کی طرف بڑھا۔ اب اس کے جاں نثاروں کے لیے بھی بھاگ جانے کا کوئی موقع نہ تھا۔ تلواریں اور بھالے لے کر وہ بھی تاریک پر پل پڑے۔ تاریک نے ہلکے سے اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے مچھروں یا مکھیوں کو اُڑاتے ہیں۔ حملہ کرنے والے مع گھوڑوں کے اس طرح اُلٹ پلٹ گئے جیسے کھِلونے۔ کسی کا ہاتھ ٹوٹا تو کسی کا پیر۔ کوئی گھوڑے کے نیچے دب کر کچلا گیا۔ کوئی لڑھکنیاں کھاتا دُور جا گرا۔

شہزادہ اسد کو اپنی مُٹھّی میں پکڑ کر تاریک نے اُوپر اُٹھا کر ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ کچھ دیر بعد وہ اُس جو گھُورتی رہی پھر بڑبڑائی۔ ”تو نے میرے بیٹے کی زندگی اجیرن کر دی ہے۔ طلِسم کی لوح حاصل کر کے اُسے ختم کر دینا چاہتا ہے۔ تُجھے ہرگز زندہ نہ چھوڑوں گی۔“ یہ کہہ کر اُس نے اسد کو دیکھتے ہی دیکھتے ٹانگیں کھینچ کر چیر ڈالا اور دیکھتے ہی دیکھتے مُنہ میں رکھ کر ہڈیوں سمیت چبا چبا کر کھانے لگی۔ اسد کے دوست یہ دیکھ کر لڑنا بھڑنا بھُول گئے اور شہزادے کا ماتم کرنے لگے۔ آناً فاناً یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ عُمرو، مہ جبین، بہار، مہ رُخ اور ان کی فوج کے وہ سارے لوگ جو جان بچانے کے لیے بھاگے جا رہے تھے یا کہیں چھُپ گئے تھے روتے پیٹتے اپنی چھاؤنی کی طرف پلٹ پڑے۔

افراسیاب کو جو خبر ہوئی کہ دائی امّاں طلِسم کُشا کو کھا گئیں تو اُس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ فوراً اُس نے ایک دوسرا خط لکھ کر تاریک کی طرف اُڑا دیا۔ لکھا تھا۔ ”دائی امّاں! طلِسم کُشا کا خاتمہ کر کے آپ نے میری ساری مُشکل حل کر دی ہے۔ اب باقی باغیوں سے مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں ایک

ہفتہ اسد کا سوگ منانے کی چھُٹّی دیجیے۔ اگر اُنہوں نے اطاعت قبول کر لی تو ٹھیک ورنہ جیسا مناسب سمجھیں سلوک کیجیے۔" تاریک نے یہ خط پڑھا تو جھومتی، قہقہے لگاتی اپنے دھوئیں کے مکان میں چلی گئی۔

اُدھر عُمرو کو ضرغام کے خلاف سخت غصّہ تھا۔ وہ ہر ایک سے ضرغام کو پوچھتا تھا اور کہتا تھا۔ "میں نے اس نامعقول کو خاص طور پر اسد کے ساتھ کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اس کی حفاظت کرے۔ مگر وہ خود بھاگ گیا اور اسد کو تاریک کھا گئی۔ اب میں ضرغام کو ہرگز زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

کافی دیر کے بعد ضرغام چھاؤنی میں آیا تو لوگ اُسے پکڑ کر عُمرو کے پاس لے گئے۔ عُمرو اُسے دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ دو چار زور دار تھپّڑ لگانے کے بعد خنجر نکال کر بولا۔ "تو اسد کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ اُسے تاریک کھا گئی۔ اب تیرا دِل نکال کر میں کھاؤں گا۔"

"میں بے قصور ہوں استاد! پہلے میری بات سُن لو۔ پھر جو جی میں آئے کرنا۔" ضرغام نے فریاد کی۔

"اچھا بول! کیا کہنا چاہتا ہے؟"

"سب کے سامنے نہیں۔ ذرا الگ چلو۔" ضرغام نے آہستہ سے کہا۔
عُمرو ضرغام کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کو لے گیا۔ وہاں خُدا جانے ضرغام نے اُسے کیا بات بتائی کہ عُمرو نے خنجر میان میں رکھ کر اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور واپس آ کر دوسروں سے کہنے لگا۔ "ضرغام بے قصور ہے۔ خُدا کو یہی منظور تھا۔ ایک ہفتے سوگ منانے کے بعد شہزادہ اسد کا انتقام لیں گے۔ یا دُشمنوں کو ختم کریں گے یا خُود مارے جائیں گے۔"
اتنا کہہ کر اُس نے سارا حال ایک خط میں لکھا، بِلّور چہار دست کے حوالے کیا اور شہنشاہ کوکب کے پاس روانہ کر دیا۔ ملکہ مہ جبین کو شہزادہ اسد کے مارے جانے پر سب سے زیادہ غم و غصّہ تھا۔ اس نے قسم کھا کر اعلان کیا کہ سوگ منانے کے بعد اپنے باپ افراسیاب سے اپنے شوہر اسد کے خُون کا بدلہ لوں گی یا خُود جان دے دوں گی۔

تارِیک شکل کا انجام

آٹھویں دِن تاریک شکل نے دھوئیں کے مکان سے سر نکالا اور مہ رُخ کی چھاؤنی کی طرف مُنہ کر کے للکاری۔ ”اے باغیو! تمہاری مہلت کی مدّت ختم ہو چکی۔ تمہارا سردار طلِسم کُشا مارا جا چکا ہے۔ اگر دماغ درست ہو گئے ہوں تو افراسیاب کے سامنے گھٹنے ٹیک کر معافی مانگو اور اگر اب بھی کسی میں کچھ کس بل ہوں تو میدان میں بھیجو کہ میں اپنی نہاری کی کسر پوری کروں۔“

ملکہ بہار سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس نے مہ رُخ اور مہ جبین سے کہا۔ ”شہزادہ اسد کے بعد زندگی بے کار ہے۔ جا کر یا تو اس کالی بلا کو مزہ چکھاتی ہوں یا اِس کی نہاری بنتی ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ اپنا طلِسمی مور اُڑاتی میدانِ جنگ کی طرف چلی۔ تاریک نے

کچھ پڑھ کر تالی بجائی۔ ایک خوفناک کالا دیو زمین سے نکل کر اس کے سامنے آیا۔ اس نے دیو سے کہا۔ ”اس لڑکی کو پکڑ لا۔ مزے لے لے کر کھاؤں گی۔“

ملکہ حیرت نے جو یہ منظر دیکھا کہ ایک طرف سے بہار چلی آ رہی ہے اور دوسری طرف سے تاریک کا خوفناک دیو بڑھ رہا ہے تو اس کا دِل دھک سے ہو گیا۔ افراسیاب سے کہنے لگی۔ ”غضب ہو گیا۔ یہ کالا دیو بہار کو پکڑ کر لے گیا تو دائی امّاں اسے ضُرور کھا جائیں گی۔ بہار میری سگی بہن ہے۔ جس طرح ہو سکے اِسے بچاؤ۔ ورنہ میں کسی کو مُنہ دِکھانے کے قابل نہ رہوں گی۔“

افراسیاب خود بھی بہار سے لگاؤ رکھتا تھا۔ حیرت کو تسلّی دیتے ہوئے بولا۔ ”فکر نہ کرو۔ اوّل تو بہار اس دیو کے قابو میں نہ آئے گی اور اگر ایسا ہو گیا تو اس کے بدلے سو آدمی دے کر اسے بچالُوں گا۔“

کچھ دیر تک بہار اور کالے دیو میں زبردست جنگ ہوتی رہی۔ نہ تو دیو بہار کے قابو میں آتا تھا اور نہ بہار پر دیو کا بس چلنے پاتا تھا۔ تھک ہار کر بہار نے

اپنا مشہور حربہ اِستعمال کیا۔ یعنی طِلِسمی گُل دستہ اس پر کھینچ مارا۔ گُل دستے کے پھُول بکھرے، ہر طرف باغ کِھل گئے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ پراسرار خوشبو کی لپٹیں ایسی پھیلیں کہ دیو مست ہو کر ملکہ بہار کی تعریف کے گیت گانے لگا۔ بہار نے جب دیکھا کہ وار کار گر ہو چکا ہے تو دیو کو حکم دیا۔

"خالی خولی تعریفیں کیا کرتا ہے۔ تاریک شکل کا سر لا کر پیش کر۔"

دیو نے کہا۔ "یہ کیا بڑی بات ہے۔ ابھی حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اپنا بھاری تیغہ ہوا میں لہراتا ہوا دھوئیں کے مکان کی طرف دوڑا۔ ملکہ حیرت اور افراسیاب نے اِطمینان کا سانس لیا۔ مہ جبین اور مہ رُخ نے آواز دے کر بہار کو واپس بلا لیا کہ "تم نے مُقابلے کا حق ادا کر دیا۔ اب وہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔"

بہار واپس چلی گئی۔ اُدھر دیو نے جا کر تاریک کو للکارا۔ "میں ملکہ بہار کا غلام ہوں۔ تیرا سر لے جا کر اُسے پیش کروں گا۔"

وہ سمجھتی تھی کہ دیو بہار کو پکڑ کر لایا ہے۔ یہ بات سُنی تو حیرت سے اُس کی

طرف دیکھنے لگی۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دیو نے دونوں ہاتھوں سے تیغہ کا بھرپور وار اس کی گردن پر کیا۔ تاریک پھُرتی سے پیچھے کو ہٹ گئی اور ایک لات دیو کے سینے پہ ماری۔ دیو دُور جا کر چاروں شانے چِت گرا۔ تاریک نے جلدی سے اُٹھ کر اس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں اور چیر کر دو ٹکڑے کر دیے۔ اُس وقت اُس کے غصّے کا عجب عالم تھا۔ دیو کی بوٹیاں مُنہ سے نوچ نوچ کر تھُوکتی دھوئیں کے مکان سے باہر نکلی اور مہ رُخ کے لشکر کی طرف بڑھتے ہوئی چِلاّئی۔ "بہار نے میرے دیو پر جادُو چلا کر میری توہین کی ہے۔ جلدی سے اُسے میرے سامنے بھیجو۔ دیر کی تو ابھی تم پر ٹوٹ پڑوں گی۔"

بہار جوش میں آکر اُس بلا کے سامنے جانا چاہتی تھی مگر مہ رُخ اور مہ جبین اُسے روک لیتی تھیں۔ لشکر میں ہر ایک پر گھبراہٹ طاری تھی کہ کہیں تاریک ان پر نہ آپڑے۔ عُمرو کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ لشکر کو حملے کا حکم دے یا بھاگ جانے کا۔

کچھ دیر تک یہی حالت ہی تو تاریک جھومتی گرجتی مہ رُخ کے لشکر کی

طرف بڑھنے لگی۔ عین اُسی وقت سب کی نگاہیں آسمان پر اُٹھ گئیں۔ جادُوگروں کی ایک زبردست فوج اژدھوں پر سوار اُڑی چلی آرہی تھی۔ آگے آگے ایک تخت تھا جس پر ایک طرف بِلّور چہار دست اور بیچ میں شہنشاہ کوکب کا استاد برہمن روئیں تن بیٹھا تھا۔ برہمن نے اپنی فوج کو مہ رُخ کی چھاؤنی میں اُترنے کا اشارہ دے کر اپنا تخت تاریک کی طرف بڑھایا اور للکارا۔

"خبردار! اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھنا۔ تیرا غُرور ٹھکانے لگانے کے لیے میں آپہنچا ہوں۔"

"اچھی بات ہے!" تاریک قہقہے لگاتے ہوئے بولی۔ "تُو بھی اپنی حسرت نکال لے۔"

اس کے بعد تاریک اور برہمن کے درمیان جادُوئی ہتھیاروں کی خوف ناک لڑائی شروع ہوگئی۔ دونوں لشکروں کے لوگ دانتوں میں انگلیاں دے کر خاموشی سے یہ لڑائی دیکھنے لگے۔ کافی دیر تک دونوں برابر کی جوڑ معلوم دیتے رہے مگر پھر رفتہ رفتہ برہمن کمزور پڑتا گیا۔ تاریک اس کو

جادُوئی ہنٹر کے پے درپے وار کرتی ہوئی پیچھے دھکیلنے لگی۔ برہمن منتر پڑھ پڑھ کر اس پر آگ اور پتھّر برسا رہا تھا مگر کوئی چیز تاریک پر کارگر نہ ہوتی تھی۔ اچانک برہمن نے جھولی میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالی۔ وہ چیز دیکھتے ہی دیکھتے کالے رنگ کی چمچماتی ہوئی پتلی سی تلوار بن گئی۔ اسی وقت ابر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تارِیک اور برہمن کے اوپر آ کر ٹھہر گیا۔ ایسے ہی کئی ٹکڑے فاصلے فاصلے پر آسمان پر اور بھی چھائے ہوئے تھے۔ کِسی کو کوئی شک نہ گزرا۔

برہمن نے سنبھل کر جادوئی تلوار سے تڑاتڑ تارِیک پر وار کرنے شروع کر دیے۔ تاریک کا ہنٹر جس جگہ سے بھی اس تلوار سے ٹکراتا وہیں سے کٹ کر نیچے گِر جاتا۔ یہاں تک کہ آخر میں صرف اُس کا دستہ تاریک کی مُٹھّی میں سلامت بچا۔ تاریک نے غصّے میں وہ دستہ بھی برہمن پر کھینچ مارا۔ برہمن نے جھُکائی دے کر خود کو بچایا اور پینترا بدل کر ایک زور دار وار تلوار کا تاریک کے سر پر کیا۔ تاریک گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ دیکھنے والے سمجھے کہ اب تاریک کا وقت آ پہنچا ہے۔ برہمن کا دل بڑھ گیا۔ اُس

نے آگے اُچھل کر پوری قوّت سے ایک اور تلوار لگائی۔ یہ وار خاصا کارگر رہا۔ کالی جادُوئی تلوار اپنی چوڑائی تک تاریک کے سر میں پھنس گئی۔ لیکن اُسی کے ایک بھرپور لات برہمن کے سینے پر ماری۔ برہمن دُور جا گِرا۔ تلوار تاریک کے سر میں دھنسی رہ گئی۔

برہمن کے گرتے ہی تاریکی نے سر میں پھنسی ہوئی تلوار نِکالی اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے برہمن کی طرف پھینک دی۔ برہمن نے اُٹھ کر پھر جھولی میں ہاتھ ڈالا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اس میں سے کچھ نکالتا، تاریک نے اچھل کر ایک زور دار دوہتڑ اس کے سر پر مارا۔ برہمن روئیں تن جس کو آج تک کوئی نیچے نہ گِرا سکتا تھا، یہ دوہتڑ کھا کر کٹی ہوئی شاخ کی طرح گِرا اور بے ہوش ہو گیا۔ تاریک نے فتح کا نعرہ بُلند کیا اور قہقہے لگاتی ہوئی برہمن کو اُٹھا کر اُچھالنے لگی۔ آخری بار اُس نے برہمن کو اس زور سے اُچھالا کہ وہ ابر کے اُس ٹکڑے میں چھُپ گیا جو کافی دیر سے آسمان پر موجود تھا۔ لیکن اس بار جب وہ نیچے گِرا تو تاریک نے اُسے ہاتھوں پر روک لیا اور دونوں طرف کے لشکروں کو مخاطب کر کے کہنے لگی:

”شہنشاہ کوکب اپنے اِس اُستاد پر بڑا ناز کرتا تھا۔ سب گواہ رہنا کہ میں نے اسے اس طرح مارا جیسے بلّی چوہے کو مارتی ہے۔ اور جس طرح بلّی مارے ہوئے چوہے کو کھا جاتی ہے، اسی طرح میں بھی اِسے کھا جاؤں گی۔“

افراسیاب اور ملکہ حیرت تخت اُڑا کر اُس کی طرف چلے۔ اُنہیں کچھ شک ہو گیا تھا۔ وہ تاریک کو روکنا چاہتے تھے لیکن ان کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی تاریک نے بے صبری کے ساتھ برہمن کے سر پر مُنہ مارا۔ مُقابلہ کرنے والے دُشمن کو وہ سر کی طرف سے ہی کھایا کرتی تھی۔ برہمن کے سر کر کو دانتوں میں دبا کر جب اس نے زور کیا تو سر تو نہ ٹوٹا پر تاریک کے دو دانت ٹوٹ گئے۔

تکلیف سے بوکھلا کر اس نے برہمن کو جھٹکا دے کر نیچے پھینکا تو دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ برہمن کا جسم کئی ٹکڑوں میں ہو کر بکھر گیا۔ اب جا کر تاریک کو پتا چلا کہ جو سر اُس نے چبایا وہ پتھّر کا تھا اور برہمن کے بکھرنے والے اعضا گتّے کے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اصل برہمن کی بجائے اس کا پُتلا تاریک کے ہاتھ آیا تھا۔ حیرت اور افراسیاب نے قریب پہنچ کر

یہ معاملہ دیکھا تو اوپر ابر کے ٹکڑے کو گھورنے لگے۔

اسی لمحے برہمن روئیں تن کا اُستاد نُور افشاں اس ابر میں سے ظاہر ہوا اور للکار کر کہنے لگا۔ "ملکہ تاریک شکل برہمن کا گوشت کھانا تُجھے کبھی نصیب نہ ہو گا۔ میں اسے لیے جاتا ہوں۔ ابھی تُجھ سے لڑنے کا ارادہ نہیں۔ ورنہ پلک جھپکتے میں سارا غرور خاک میں ملا دیتا۔"

"اچھا تو یہ تیری حرکت تھی!" تاریک شکل نے زہر بھرے لہجے میں کہا۔ "بُڈّھے! جب تیرے جی میں آئے آکر حسرت نکال لینا۔"

تاریک کی یہ بکواس سن کر نُور افشاں بادلوں میں غائب ہو گیا اور تاریک اپنے دھوئیں کے مکان میں چلی گئی۔ اُدھر نُور افشاں برہمن کو لیے ہوئے ایک قریبی درّے میں جا اُترا اور اُس کا علاج کرنے لگا۔ سورج ڈوبنے کے وقت اُس کے مقرّر کردہ جاسوس پرندوں نے آکر خبر دی کہ درّے کے دونوں جانب سے دو آدمی اندر آ رہے ہیں۔ برہمن کو اب تک ہوش نہ آیا تھا۔ نُور افشاں نے اُسے ایک جھاڑی کی اوٹ میں چھپا دیا اور خود بھی قریبی چٹان کے پیچھے ہو کر آنے والوں کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں دونوں

آدمی اس چٹان کے قریب ٹھہر کر باتیں کرنے لگے۔ ان میں ایک جان سوز اور دوسرا مہتر قیران تھا۔ دونوں عُمرو کے شاگرد اور آپس میں باپ بیٹے تھے۔ نُور افشاں توجّہ سے اُن کی باتیں سُننے لگا۔

قیران نے جان سوز سے کہا۔ "بیٹا تم جانتے ہو کہ خواجہ نے مجھے اپنا جانشین بنایا ہے۔ عیّاری میں ان کے بعد میرا ہی نمبر ہے۔ مگر تاریک کے مقابلے میں ہماری ساری عیّاریاں ناکام ہو چکی ہیں۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ مردانہ وار تاریک کے مکان میں گھُس جاؤں۔ یا اُس کا کام تمام کروں یا خود جان دے دوں۔ خواجہ اس کی بالکل اجازت نہ دیتے۔ اسی لیے تم کو الگ بُلایا ہے۔ بولو میرا ساتھ دو گے؟"

"ابّا جان!" جان سوز نے جوش میں کہا۔ "میری سو جانیں ہوں تو بھی آپ کے حکم پر قربان کر دوں گا۔"

"اچھا تو چلو۔" قیران نے کہا۔ "ہم اسی وقت تاریک کے مکان میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔"

وہ دونوں چند ہی قدم چلے تھے کہ نُور افشاں نے باہر نِکل کر آواز دی۔

"ٹھہرو۔"

دونوں نُور افشاں کو سامنے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ نُور افشاں نے کہا۔ "مہتر قیران، عیّاری کے علاوہ میں تمہاری بہادری اور طاقت سے بھی واقف ہوں۔ میں تمہیں خوش خبری سُناتا ہوں کہ تاریک تمہارے ہی ہاتھوں قتل ہو گی۔ لیکن جمشیدی تلوار کے بغیر اُس پر دنیا کا کوئی ہتھیار اثر نہیں کر سکتا۔"

قیران نے کہا۔ "خوش خبری کا شکریہ! مگر یہ جمشیدی تلوار کہاں ملے گی؟"

"وہ میرے پاس ہے۔" نُور افشاں نے جواب دیا۔

"جان کی بازی لگا کر میں اُسے جمشید کے مقبرے سے نِکال لایا ہوں۔" یہ کہہ کر اُس نے جھولی میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا کالی لکڑی کا ڈبّا نکالا اور اس کا ڈھکنا کھول کر قیران کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ رہی جمشیدی تلوار۔ جب تک یہ تمہارے پاس رہے گی کِسی کا کوئی جادُو تم پر اثر نہ کرے گا۔"

"مگر یہ تو ننھے بچّوں کا کھلونا لگتی ہے۔" قیران نے ڈبے میں رکھی ہوئی ننھی

سی تلوار کو، جو مخمل کے نیام میں رکھی تھی، دیکھتے ہوئے کہا۔
"ہاتھ میں اُٹھا کر تو دیکھو۔" نُور افشاں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ قران نے دو اُنگلیوں سے پکڑ کر وہ تلوار اُٹھالی۔ ڈبّے سے باہر آتے ہی وہ اِس تیزی کے ساتھ بڑھی کہ قیران کی اُنگلیوں سے چھُوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ اب وہ عام تلواروں جتنی لمبی تھی۔ قیران نے اُسے اٹھا کر پیٹی میں باندھ لیا اور نُور افشاں سے رُخصت ہو کر چل دیا۔

دوسرے دِن افراسیاب حیرت کو ساتھ لے کر صُبح ہی صُبح تاریک کے پاس مزاج پُرسی کے لیے جا پہنچا۔ گزشتہ روز افراسیاب نے اُس کے پاس سو آدمی بھیجے تھے۔ تاریک رات تک ان میں سے اسّی آدمی چٹ کر چکی تھی۔ اس وقت وہ بچے ہوئے بیس آدمیوں کی نہاری کھا رہی تھی۔ افراسیاب اور حیرت اس کے سامنے خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں افراسیاب کے ایک دربان نے آ کر کہا۔ "حضور کی بھانجی شہزادی ارمان جادُو مع اپنے ایک محافظ کے تشریف لائی ہیں اور اندر آنے کی اجازت چاہتی ہیں۔"

افراسیاب نے یہ سُن کر تاریک سے کہا۔ ”دائی امّاں! وہ آپ کی زیارت کے لیے آئی ہے۔ اجازت دیجیے تو بُلا لوں۔“ تاریک کھانے پینے میں جُتی ہوئی تھی مگر محافظ کا ذکر سُن کر چونک پڑی۔ بولی ”یہ تیری بھانجی محافظ کیوں ساتھ لائی ہے؟“

”ماں باپ نے ساتھ کر دیا ہو گا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔“ افراسیاب نے جواب دیا۔

”اچھا، بُلوا لو۔“ تاریک نے اجازت دے دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک نوجوان خوب صورت لڑکی اعلیٰ قسم کا لباس پہنے اندر آئی۔ ایک جنگ جو سپاہی تلوار اور ڈھال لگائے سائے کی طرح اُس کے ساتھ تھا۔ اس سپاہی کی آن بان دیکھ کر افراسیاب کو بھی کچھ اندیشہ ہوا۔ نوجوان لڑکی نے افراسیاب، حیرت اور ملکہ تاریک کو جھُک کر آداب کیا۔

افراسیاب نے اُس سے پوچھا۔ ”یہ سپاہی کون ہے؟ میں نے اِسے پہلے کبھی تمہارے ساتھ نہیں دیکھا۔“

قبل اس کے کہ وہ کچھ جواب دے تاریک زمین پر دوہتّڑ مار مار کر چِلاّئی

"پکڑ لو۔ یہ لڑکی ارمان جادُو نہیں جان سوز عیّار ہے۔ اور یہ سپاہی اس کا باپ مہتر قیران ہے۔
راز فاش ہوتے ہی قیران نے جمشیدی تلوار کھینچ کر کہا۔ "او ڈائن! آج تو میرے ہاتھ سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتی۔" وہ للکارا اور تاریک کی طرف بڑھنے لگا۔ افراسیاب نے جادُو کیا کہ قیران کا بدن سُن ہو جائے مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا، کئی منتر اور اُس نے پڑھ کر پھُونکے مگر قیران آگے بڑھتا ہی رہا۔ تاریک بھی اُسے اور اُس کی تلوار کو گھُور رہی تھی۔ اچانک وہ چیخی۔ "افراسیاب، ہوشیار! اِس کے ہاتھ میں جمشیدی تلوار ہے۔" اتنے میں قیران نے اُچھل کر تاریک کے سر پر وار کیا۔ تاریک نے کتنی ہی جادُوئی ڈھالیں سر پر لیں اور قیران کی کلائی پر ہاتھ مارا جس سے تلوار اُوپر ہو گئی مگر اتنے عرصے میں وہ ساری جادُوئی ڈھالیں کاٹ کر تاریک کے سر پر زخم لگا چکی تھا۔ دوسرا وار کرنے کے لیے قیران پیچھے کو جست لگا گیا۔
اُسی لمحے افراسیاب تلوار کھینچ کر اُس کے سامنے آ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں تلوار نے افراسیاب کے سر کو بھی زخمی کر دیا۔ ملکہ حیرت نے محافظوں کو

پُکارا۔ وہ اندر آکر قیران سے لڑنے لگے۔ تاریک، افراسیاب اور حیرت تیزی سے اپنے لشکر کو چلے۔ ان کے اور قیران کے درمیان سینکڑوں محافظ حائل ہو چکے تھے۔ لیکن جمشیدی تلوار کی مدد سے قیران ان کا صفایا کرتا ہوا جلد ہی ان تک پہنچ گیا۔

تاریک بھاگتی ہوئی چلاّئی۔ ”افراسیاب! تیغِ جمشیدی سے دُور رہ اور سپاہیوں کو حکم دے کہ وہ قران کو گھیرے میں لے کر ہم سے دُور رکھیں۔“ دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں جنگجوؤں نے قیران کو آکر چاروں طرف سے گھیر لیا۔

مہ رُخ میدان میں کھڑی یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ کیا ہڑبونگ ہے۔ قیران کس سے لڑ رہا ہے۔ خواجہ عُمرو بھی حیران تھے۔

اتنے میں جان سوز بھاگتا ہوا آیا اور سارا حال بیان کر دیا۔ اس نے مہ رُخ سے کہا۔ ”ہمیں فی الفور قیران کی مدد کرنی چاہیے۔ سارے لشکر کو حکم دو کہ افراسیاب کی فوج پر ٹُوٹ پڑے۔“

اُدھر افراسیاب اور تاریک محفوظ مقام پر کھڑے ہوئے چاروں طرف

نگاہیں دوڑا رہے تھے۔ مہ رُخ کی فوج کو آگے آتا دیکھ کر انہوں نے بھی اپنی فوج کے ایک حصّے کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دونوں لشکر بپھرے ہوئی موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔

قیران کو موقع مل گیا۔ وہ سامنے آنے والوں کو مارتا کاٹتا تاریک تک جا پہنچا۔ وہ کچھ دیر قیران سے لڑتی رہی اور پھر تنگ آ کر اُوپر بادلوں میں اُڑ گئی۔

نیچے افراسیاب کے سپاہیوں نے پھر قیران کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ برہمن روئیں تن اس وقت تک تندرست ہو چکا تھا۔ نُور افشاں اور وہ دونوں بادلوں میں چھُپے نیچے ہونے والی لڑائی دیکھ رہے تھے۔ جیسے ہی تاریک بادلوں میں پہنچی، ایک طرف سے نُور افشاں اور دوسری طرف سے برہمن اُس پر ٹوٹ پڑے۔ پہلے تو تاریک کچھ گھبرائی مگر پھر خاص جادُوئی ہنٹر نِکال کر دونوں سے لڑنے لگی۔

اتنے میں شہنشاہ کوکب بھی زبردست فوج کے ساتھ وہاں آ پہنچا۔ ملکہ بُرّاں، ملکہ اختر، ملکہ مجلس جادُو اور نامور سردار اُس کے ساتھ تھے۔ نُور

افشاں اور برہمن کو تاریک سے لڑتا دیکھ کر اُس نے شہزادیوں اور اپنی فوج کو نیچے جا کر افراسیاب سے جنگ کرنے کا حکم دیا اور خود اُن کی مدد کو جا پہنچا۔ تاریک نے اُسے دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔ ”اچھا ہوا کہ تو بھی آ گیا۔ ان تم تینوں کا قصّہ پاک کر دوں گی۔“

کوکب نے ایک ناریل تاریک کی طرف پھینکا۔ تاریک نے چھُو کر دیا۔ وہ ناریل اُس کے قریب پہنچ کر پلٹا اور کوکب کے گرد چکّر کھانے لگا۔ کوکب کا دماغ چکرانے لگا۔ نُور افشاں نے یہ دیکھ کر اس کے توڑ کا منتر پڑھا۔ ناریل راکھ بن کر نیچے جا گرا۔ کوکب کے ہوش ٹھکانے لگے۔ اِسی وقت نُور افشاں نے چیخ کر اُس سے کہا۔ ”تم نیچے جا کر افراسیاب سے لڑو۔ ہم تاریک سے نمٹ لیں گے۔“

نُور افشاں کی اِس ہدایت پر کوکب نے جا کر افراسیاب کی فوج پر آگ برسانے لگا۔ اُدھر تاریک نے غصّے سے بپھر کر نُور افشاں پر اپنے جادُوئی ہنٹر کی برسات شروع کر دی۔ برہمن تاریک پر جادُو کی کمندیں پھینکنے لگا۔ تاریک اس کی طرف پلٹی۔ نُور افشاں نے سنبھل کر سامری کا طلِسمی جال

تاریک پر مارا۔ برہمن کی کمند کے حلقے وہ بڑی آسانی سے توڑ دیتی تھی مگر یہ جال کچھ اس طرح اُس پر پڑا کہ بچا نہ سکی۔ اُلجھ کر نیچے گرنے لگی۔ نُور افشاں نے خُوش ہو کر قیران کو پُکار کر کہا۔ ”ہاں لینا۔ تاریک نیچے گِر رہی ہے۔“ تاریک قیران سے کافی فاصلے پر گِری۔ بیچ میں دشمن کے سینکڑوں سپاہی حائل تھے۔ پھر بھی وہ جوش میں آکر تیزی سے تاریک کی طرف بڑھنے لگا۔ تاریک پھڑپھڑاتی ہوئی جال کو توڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آخر کار وہ اس میں کامیاب ہو گئی۔ قیران کے پہنچتے پہنچتے وہ آزاد ہو چکی تھی۔ جیسے ہی قیران تلوار بُلند کر کے اُس کی طرف جھپٹا، تاریک نے دونوں ہاتھوں میں مٹّی بھر کر اُس کی آنکھوں میں جھُونک دی۔ قران نے فوراً آنکھ بند کر لی۔ مٹّی تو اُس کی آنکھوں میں نہ گئی البتّہ موقع پا کر تاریک اُڑ کر بادلوں میں چلی گئی۔

تین دن رات مسلسل جنگ جاری رہی۔ مہتر قیران تاریک کی تلاش میں افراسیاب کی فوج کی صفیں اُلٹتا پھر رہا تھا۔ نیچے وہ اُس کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا اور اُوپر بادلوں میں برہمن اور نُور افشاں اُسے چین نہ لینے دیتے

تھے۔ نُور افشاں کے پاس سامری کے آٹھ طلِسمی جال تھے۔ جب وہ تاریک پر ایک جال مارتا تو تارِیک اُس میں اُلجھ کر نیچے زمین پر جا گرتی۔ اُسی وقت مہتر قیران جمشیدی تلوار لہراتا ہوا اس کی طرف دوڑ پڑتا۔ تاریک بڑی مُصیبت سے وہ جال توڑ پاتی۔ افراسیاب کے سپاہی اُسے بچانے کے لیے دوڑ پڑتے اور جب تک قیران اُنہیں ٹھکانے لگاتا وہ پھر بادلوں میں اُڑ جاتی۔

چوتھا دن شروع ہوا تو سب لڑتے لڑتے نڈھال ہو چُکے تھے۔ نُور افشاں کے پاس صرف آٹھواں اور آخری طلِسمی جال باقی بچا تھا۔ اس نے سوچا، تاریک نے یہ جال بھی توڑ دیا تو اس کے پاس اُسے زیر کرنے کا کوئی حربہ باقی نہ رہے گا۔ کیوں نہ اُسے اِتنا زخمی کر دیا جائے کہ وہ یہ جال توڑ ہی نہ سکے۔ یہ سوچ کر اُس نے تاریک سے کہا۔ ”جادُو منتر کی لڑائی سے ہم میں سے کوئی کِسی کو نہ ہرا سکا۔ اب آؤ ہاتھ پیر کی طاقت آزمائیں۔“ تاریک فوراً راضی ہو گئی۔ اُسے یقین تھا کہ اِس صورت میں وہ دونوں پر بھاری پڑے گی۔

بس پھر تو تینوں کے درمیان لات گھونسے کی لڑائی ہونے لگی۔ کوکب اُچھل اُچھل کر تاریک کے پیٹ اور سینے پر دولتیاں جھاڑ تا۔ برہمن ٹکریں لگاتا اور تاریک ان دونوں پر تھپّڑ اور گھونسے برساتی۔ تھوڑی ہی دیر میں تینوں لہو لہان ہو گئے۔ اِسی موقع پر نُور افشاں نے تاریک پر اپنا آخری جال پھینک دیا۔ تاریک اُس میں بُری طرح اُلجھ گئی اور پھڑ کتی ہوئی نیچے ِگری۔ مہتر قیران اُس کی طرف دوڑا۔ افراسیاب کے سپاہی تاریک کو بچانے دوڑے۔ تاریک نے جال توڑنے میں جان لگا دی۔ سخت جدوجہد کے بعد وہ جال توڑنے میں کامیاب بھی ہو گئی لیکن ابھی وہ بادلوں میں جانے کے لیے اُڑی ہی تھی کہ قیران اُس کے قریب پہنچ گیا اور تاریک اُوپر اُٹھتا دیکھ کر اُس نے زبردست اُچھال لگا کر اُس پر تلوار چلا دی۔ تاریک کی پنڈلی کٹ گئی۔ ِکسی اور تلوار کا زخم ہوتا تو شاید اُس پر مچھّر کے ڈنگ جتنا بھی اثر نہ ہوتا مگر وہ تو جمشیدی تلوار تھی۔ سارے بدن میں چنگاریاں سی سلگنے لگیں۔ وہ افراسیاب کو مدد کے لیے پُکارتی ہوئی نیچے ِگر پڑی۔ قیران نے تُول کر دوسرا وار اُس کے سر پر گیا۔ تاریک کے محافظ سینکڑوں بھُوت

جمشیدی تلوار سے چمٹ گئے مگر وہ ان سب کو صابن کی طرح کاٹتی ہوئی تاریک کے سر میں گھُس گئی اور گردن تک کاٹتی چلی گئی۔ اس نے ایک ہولناک چیخ ماری اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی پڑ گئی۔

پھر تو ایسی زبردست آندھیاں چلیں اور اِتنی تاریکی چھائی کہ سارا میدانِ جنگ کالا ہو گیا۔ رونے پیٹنے کی لرزہ خیز صداؤں سے زمین و آسمان گونجنے لگے۔ آخر میں ایک ہولناک آواز آئی۔ "مجھے قیران نے جمشیدی تلوار سے ہلاک کیا۔ میرا نام ملکہ تاریک شکل تھا۔"

لیکن اچانک افراسیاب کی دادی آفات چہار دست وہاں آ پہنچی۔ شاید اُسے طلِسمِ ظُلمات میں تاریک کے مارے جانے کی خبر مل چُکی تھی۔ اس نے دیکھا کہ نُور افشاں کے کسی منتر سے افراسیاب اور حیرت بے ہوش ہو چکے ہیں اور اُن کی فوج پر ہر طرف سے موت کی برسات ہو رہی ہے۔ اس نے افراسیاب اور حیرت کو پنجے میں دبوچا اور اوپر اُڑتے ہوئے للکاری۔ "او بُڈّھے نُور افشاں! تو نے افراسیاب کے معاملے میں دخل دے کر اچھا نہیں کیا۔ تاریک کا خون بھی تیری گردن پر ہے۔ اس وقت افراسیاب کو لیے

جاتی ہوں مگر ہوشیار رہنا۔ جلد بدلہ چُکاؤں گی۔"

افراسیاب کی فوج پہلے ہی عذاب میں مُبتلا تھی۔ اب جو اُس نے دیکھا کہ آفات شہنشاہ اور ملکہ کو بھی لے گئی ہے تو اُس کے پیر اُکھڑ گئے۔ جِس کا جِدھر مُنہ اُٹھا، گھبراہٹ میں بھاگ نِکلا۔

کئی دن کی اِس جنگ میں افراسیاب کے آدھے سے زیادہ آدمی جان سے مارے گئے۔ جو بچ کر نِکل گئے وہ اپنا سب کچھ چھوڑ گئے۔ عُمرو اور اُس کے شاگردوں نے اس اور صرف میدانِ جنگ سے لاکھوں روپے کی نقدی اور زیور ہتھیائے۔ مہ رُخ کی فوج کو حیرت کی چھاؤنی کا بے شمار مال و اسباب حاصل ہوا۔

شہنشاہ لاچین

اپنی چھاؤنی میں پہنچ کر عُمرو نے نُور افشاں، برہمن روئیں تن اور کوکب کی بروقت مدد کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ مہ رُخ نے اُن سے کہا۔ ”آج ہم نہ اس سے زیادہ خوف ناک لڑائی ہم نے افراسیاب سے لڑی ہے اور نہ ہمیں کبھی اتنی بڑی فتح حاصِل ہوئی ہے۔ ہم پر لازم تھا کہ ہم فتح کا جشن بھی اسی نسبت سے زیادہ شان دار طور پر مناتے۔ لیکن افسوس! ہم ایسا نہ کر سکیں گئے۔ شہزادہ اسد کی ہلاکت نے ہمارے دِلوں کو مُرجھا دیا ہے۔“

شہزادہ اسد کا نام آتے ہی وہاں موجود سارے لوگوں کے چہرے اداس ہو گئے مگر خواجہ عُمرو مُسکراتے ہوئے بولے۔ ”نہیں ملکہ مہ رُخ۔ جشن ضرور ہو گا۔“

”کیا شہزادہ اسد کی موت کا آپ کو بالکل دُکھ نہیں؟“ بہار نے کہا۔

”شہزادہ اسد بھی آج کے جشن میں شریک ہوں گئے۔“ عُمرو نے ہنستے ہوئے کہا۔ سُننے والے سنّاٹے میں آ گئے۔ ”وہ زندہ ہیں اور خاص پناہ گاہ میں محفوظ ہیں۔“ عُمرو نے راز فاش کرتے ہوئے کہا۔ ”ضرغام نے اُنہیں چھُپا کر ان کے ایک جاں نثار کو اُن جیسا بنا دیا تھا۔ تاریک اُسی کو اصل شہزادہ اسد سمجھ کر کھا گئی تھی۔ اگر یہ بات نہ چھُپائی جاتی تو تاریک شہزادہ اس کو ضرور ڈھونڈ نکالتی۔“

عُمرو کی یہ باتیں سُن کہ ہر شخص کا چہرہ خُوشی سے کِھل اُٹھا۔ ملکہ مہ جبیں مہ رُخ سے چمٹ کر خوشی کے آنسو بہانے لگی۔ اس رات میزبان اور مہمان سب نے مل جُل کر جشن کا اہتمام کیا۔ خاص محفل میں شہزادہ اسد، مہ جبین، بہار، مخمُور اور ممتاز سردار میزبانوں کی جانب سے اور نُور افشاں، برہمن، کوکب، بُرّاں، اختر، مجلس، وغیرہ مہمانوں کی جانب سے شریک ہوئے۔ اس محفل میں عُمرو نے ناچ گانے کا وہ کمال دکھایا کہ سب عش عش کر اُٹھے۔

آدھی رات کے بعد محفل خاتمے پر آئی تو کوکب نے عُمرو کی تعریف کرنے کے بعد کہا۔ "خواجہ! اب ہمارے یہاں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صبح ہم روانہ ہو جائیں گے۔ آپ جس قدر جلد ممکن ہو طِلسم کی لوح کا پتا چلائیں اور اُسے حاصل کر لیں۔ لڑائیوں میں ہم کبھی افراسیاب کو شکست نہ دے سکتے ہیں لیکن لوح کے بغیر نہ وہ مارا جائے گا نہ اس کا ملک فتح ہو گا۔"

کوکب کی اس تقریر کا ایک ایک لفظ عُمرو نے بڑی توجّہ سے سُنا اور دوسرے دن جب مہمان چلے گئے تو طِلسم کی لوح کا پتا چلانے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ لیکن افراسیاب بھلا کیسے مہلت دیتا! جلد ہی وہ بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ ایک اور طِلسمی بلا کو لے کر آدھمکا۔ اس بلا نے بھی عُمرو کے حامیوں پر بڑی قیامت ڈھائی مگر آخر کو ماری گئی۔ اس کے بعد افراسیاب ایک کے بعد ایک چار اور بلاؤں کو عُمرو کے لشکر کے خاتمے کے لیے لایا۔ ان میں سے ہر بلا نے پہلی سے زیادہ تباہی مچائی لیکن وہ یا تو عُمرو کی عیّاری سے یا اپنی غلطی سے یا کوکب اور نُور افشاں کی مدد سے ہلاک ہوئی۔

افراسیاب کو اپنی ان سات بلاؤں پر بڑا ناز تھا۔ جب وہ ایک ایک کر کے سب ختم ہو گئیں تو بڑا پریشان ہوا۔ اُسے ڈر ہوا کہ کہیں دُشمنوں کو لوح کا پتا نہ چل جائے۔ صحیح معنوں میں اُسے خطرہ صرف دو آدمیوں سے تھا۔ ایک عُمرو سے دوسرا شہزادہ اسد ہے۔ یہ دونوں کئی بار اُس کے قابُو میں آ چکے تھے لیکن کِسی نہ کِسی ترکیب سے چھُوٹ گئے تھے۔ سوچتے سوچتے وہ اِس نتیجے پر پہنچا کہ اگر اِن دونوں کو گرفتار کرنے کے بعد طلِسم ہوش رُبا کے باہر کہیں دُور بند کر دیا جائے تو یا تو وہ کبھی رہائی نہ حاصل کر سکیں گے یا پھر طلِسم ہوش رُبا واپس نہ پہنچ سکیں گے۔

یہ خیال کر کے اس نے اپنے دوست شہنشاہ نیلم کو دعوت دے کر بُلایا۔ اس کا ملک طلِسم ہوش رُبا سے ہزاروں میل دور تھا۔ افراسیاب کے بہت سے دُشمن ایک مدّت سے اُس کے پاس قید تھے۔

شہنشاہ نیلم آیا تو افراسیاب نے اُس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ دو دن بعد وہ واپس جانے کے لیے تیّار ہوا تو افراسیاب نے اُس سے کہا۔ ”عُمرو اور اسد نے مجُھے بہت پریشان کر رکھا ہے۔ اگر آپ انہیں پکڑ کر لے جائیں اور طلِسمی قید

خانے میں قید کر دیں تو پھر مُجھے کسی سے کوئی خطرہ نہ رہے گا۔"
"ارے! یہ بات تھی تو آپ نے پہلے کیوں نہ فرمایا؟" شہنشاہ نیلم نے کہا۔
"اِطمینان رکھیں۔ آج رات کے بعد یہ دونوں پھر کبھی طلِسم ہوش رُبا میں نظر نہ آئیں گئے۔"

اس دن سورج چھُپتے ہی شہنشاہ نیلم افراسیاب کے پاس سے اُٹھ کر اپنے علیٰحدہ خیمے میں چلا گیا۔ ملازموں اور محافظوں کو باہر رہنے کا حکم دے کر اُس نے اپنے ہاتھ سے زمین میں ایک چھوٹا سا گڑھا کھودا۔ پھر اس میں لکڑیاں اور گھی ڈال کر آگ لگا دی۔ تھوڑی دیر میں وہ گڑھا شعلوں سے بھر گیا۔ کچھ دیر وہ اُس میں طرح طرح کی خوشبوئیں جلاتا رہا۔ اس کے بعد اس نے جھُولی سے ایک ڈبیا نکالی۔ پھر اپنی چھنگلی سے خُون نکال کر اُس پر ٹپکایا اور کچھ منتر پڑھنے لگا۔ جلد ہی ڈبیا کا ڈھکن خُود بخود کھُل گیا۔ اس کے اندر لوبان کا بنا ہوا ایک ننھا سا بھُوت تھا۔ چند قطرے چھنگلی کے خُون کے اس پر ٹپکانے کے بعد نیلم نے منتر پڑھتے ہوئے وہ ننھا سا بھُوت آگ میں ڈال دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دھوئیں کا ایک خوف ناک مجسّمہ الاؤ میں سے بُلند

ہو کر لہرانے لگا اور آواز آئی۔ ”شاہ نیلم! میں تیرا غُلام ہوں۔“

شاہ نیلم نے حکم دیا۔ ”افراسیاب کے دُشمنوں کے لشکر میں جا۔ عُمرو عیّار اور طلِسم کُشا اسد کو اُٹھا کر لے آ۔“

”بہت بہتر!“ دھوئیں میں سے آواز آئی۔ ”میں ابھی جا کر حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔“ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دھواں ہوا میں پھیل کر غائب ہو گیا۔

ملکہ مہ جبین کی بار گاہ میں روز کی طرح دربار لگا ہوا تھا۔ مہ رُخ، بہار، مخمُور اور دوسرے سرداروں کی طرح اسد اور خواجہ عُمرو بھی اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے کاروائی میں حصّہ لے رہے تھے۔ اچانک شہزادے کی نگاہوں کے سامنے ایک ہلکا سا دھواں لہرایا۔ خدا جانے اُس دھوئیں نے کیا کِیا یا کیا کہا کہ شہزادہ اسد اِکبارگی اپنی کُرسی سے اُٹھا اور ملکہ مہ جبین سے بولا۔ ”مجھے نیند آ رہی ہے۔ چاہتا ہوں کہ تم صُبح سے پہلے مجھے کوئی نہ اُٹھائے۔“ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اپنے خیمے میں جا کر اُس نے خدمت گاروں سے بھی یہی کچھ کہا اور خواب گاہ میں جا کر سو رہا۔

شہزادہ اسد کے خواب گاہ میں جانے کے بعد عُمرو اپنی کُرسی سے اُٹھا اور

کہنے لگا۔ ”میں افراسیاب کی چھاؤنی میں جا کر دکھتا ہوں کہ وہ کیا منصُوبے بنا رہا ہے۔ میرے پیچھے کوئی نہ آئے۔“

یہ کہہ کر وہ بھی وہاں سے چل دیا۔ یہ خیال اُس کے دماغ میں بالکل اچانک آیا تھا اور اِس سے پہلے اُس کی نگاہوں کے سامنے بھی ایک ہلکا سا دھواں لہرایا تھا۔ برق فرنگی اور ضرغام اُستاد کے اس اچانک پروگرام پر حیران تھے۔ اُنہوں نے چاہا کہ وہ بھی عُمرو کے پیچھے لگ لیں۔ مگر مہتر قیران نے اُنہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ۔ ”خواجہ منع کر گئے ہیں۔“

آدھی رات نہ گزرنے پائی تھی کہ شاہ نیلم کے خیمے میں ہلکا ہلکا سا دھواں داخل ہوا۔ وہ ابھی تک آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھا منتر پڑھ پڑھ کر اُس میں خوشبوئیں جلا رہا تھا۔ دھوئیں کو دیکھتے ہی اس نے اپنی چھُنگلی سے تازہ خُون نکال کر اُس پر چھڑکا۔ پھیلا ہوا دھواں سمٹ کر الاؤ میں آ گیا۔ ایک بار پھر پہلے کی طرح دھوئیں کا ایک خوف ناک مجسّمہ لہراتا دکھائی دینے لگا۔ شاہ نیلم نے اُس سے سوال کیا۔ ”قیدی لے آئے؟“

”ہاں حضور!“ دھوئیں میں سے آواز آئی۔ ”یہ سنبھالیے صُبح سے پہلے اِن

کے غائب ہونے کی کِسی کو بھی خبر نہ ہو گی۔" اس کے ساتھ ہی دھوئیں
میں سے لڑھکتے ہوئے دو بے ہوش آدمی الاؤ کے کنارے شاہ نیلم کے
سامنے آ گرے۔ شاہ نیلم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "شاباش! میں تجھ سے
خوش ہوا۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنی پنڈلی کی ایک بوٹی کاٹ کر دھوئیں کی
طرف پھینکی۔ "یہ رہا تیرا انعام۔" اس نے کہا۔

کچھ دیر تک ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دھواں خُوشی سے ناچ رہا ہے۔ پھر رفتہ
رفتہ وہ الاؤ میں جذب ہوتا گیا۔ اس کے ساتھ ہی الاؤ کے شعلے بھی ماند
پڑتے گئے یہاں تک کہ ساری آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ اُوپر لوبان پہلے جیسا ننھا
سا بھُوت دکھائی دینے لگا۔ شاہ نیلم نے اسے اُٹھا کر ڈبیا میں رکھا اور بے
ہوش قیدیوں کو چھُپا کر افراسیاب کے پاس چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ افراسیاب کے ساتھ اپنے خیمے میں آیا اور بے ہوش
قیدیوں کے مُنہ پر سے چادر ہٹاتے ہوئے بولا۔ "پہچانیے۔ انھی لوگوں کے
بارے میں آپ نے مُجھ سے کہا تھا نا؟"

افراسیاب نے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "بالکل! بلا شبہ ان میں ایک عُمرو

اور دوسرا اسد ہے۔ تم نے کمال کر دیا۔ اتنی جلدی انہیں اُڑالائے!"
"یہ سب آپ ہی کی کرامت کا صدقہ ہے۔" شاہ نیلم نے کہا۔ "خاص بات یہ ہے کہ صُبح سب سے پہلے اِن کے غائب ہونے کا کسی کو پتا نہ چل سکے گا۔"
بس پھر تو اسی وقت روانہ ہو جاؤ اور کوشش کرو کہ صُبح ہونے سے پہلے پہلے طلِسم ہوش رُبا کی حدود سے نِکل جاؤ۔ ایسا نہ ہو کوکب یا نُور افشاں کو کسی طرح پتا چل جائے۔"
شہنشاہ نیلم صُبح ہوتے ہوتے طلِسم ہوش رُبا کی سرحد سے سینکڑوں میل باہر نِکل گیا اور صُبح کو جس وقت مہ رُخ کی چھاؤنی میں عُمرو اور اسد کے غائب ہو جانے پر طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں، وہ اپنے محل میں پہنچ چُکا تھا۔ وہاں اُس نے اپنے ایک معتبر ماتحت راجا توسن کو بُلا کر قیدیوں کو اُس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "انہیں اسی وقت اپنے علاقے میں لے جاؤ اور طلِسمی قید خانے میں بند کر دو۔" عُمرو اور اسد اس وقت تک مسلسل بے ہوش تھے۔ راجا توسن انہیں لے کر اُڑتا ہوا اپنے محل میں پہنچا۔ وہ جگہ

شہنشاہ نیلم کے ملک سے سینکڑوں میل دُور تھی۔

توسن کی لڑکی ناہید بڑی نیک اور خُدا ترس لڑکی تھی۔ شہزادہ اسد کو بے ہوش حالت میں دیکھ کر اُسے بڑا رحم آیا۔ باپ سے اُسے پتا چلا کہ وہ طِلسم کُشا ہے اور افراسیاب کی ظالمانہ حکومت کو ختم کرنے کی جدوجہد کرتا ہے تو اُس نے دل میں فیصلہ کیا کہ اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اس نے اپنے باپ سے کہا۔

"ابّا جان! شہنشاہ افراسیاب کے خلاف بغاوت کر کے اس شخص نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ اسے میرے حوالے کر دیجیے۔ کل صُبح تک میں اِسے قتل کر کے سر آپ کی خدمت میں نذر کروں گی۔ آپ فوراً افراسیاب کے پاس پہنچا دیجیے گا۔"

توسن خُوش ہو گیا۔ بولا۔ "شاباش بیٹی! تم عقل مند بھی ہو اور افراسیاب کی سچّی خیر خواہ بھی۔ تم اِسے سنبھالو۔ میں عُمرو کو لے جا کر طِلسمی قید خانے میں بند کرتا ہوں۔"

اُدھر توسن عُمرو کو لے کر گیا اور ناہید نے شہزادہ اسد کو ہوشیار کیا۔ اس نے

ناہید سے پوچھا۔ ”تم کون ہو اور میں کہاں ہوں؟“ جواب میں ناہید نے باپ سے کو کچھ سُنا تھا بیان کر دیا۔ اب جا کر اسد کو پتا چلا کہ نیلم خواجہ عُمرو کو بھی اُٹھا لایا ہے اور توسن نے اُسے طِلسمی قید خانے میں لے کر گیا ہے۔ اسد بے چین ہو گیا۔ اُس نے ناہید سے کہا۔ ”کیا تم مُجھے طِلسمی قید خانے کا پتا بتا سکتی ہو؟“

ناہید نے کہا۔ ”آپ اُس کی فکر نہ کریں۔ پہلے اپنے حالات بیان کریں تا کہ میں فیصلہ کر سکوں کہ مجھے آپ کا ساتھ دینا چاہیے یا نہیں؟“

اس پر شہزادہ اسد نے لقا کی جھوٹی خُدائی، امیر حمزہ کے جذبۂ جہاد اور افراسیاب کے فساد پر تقریر کی اور طِلسم ہوش رُبا میں پیش آنے والے اب تک کے واقعات مختصراً بیان کیے۔ آخر میں کہا۔ ”ہم تو صرف لقا باختری کا تعاقب کر رہے تھے۔ لیکن امیر حمزہ کے فرزند شہزادہ بدیع الزّماں کو قید کر کے افراسیاب نے خود ہمیں طِلسم ہوش رُبا میں آنے کی دعوت دی۔ وہ غلطی سے شکار کرتے ہوئے اُس کی سرحد میں داخل ہو گئے تھے۔ افراسیاب نے خُدا جانے انہیں کہاں رکھ چھوڑا ہے کہ آج تک اُن کا پتا نہ

چل سکا۔"

ناہید پہلے ہی اسد کی ہمدرد ہو چکی تھی، یہ سارے حالات معلوم ہوئے تو اُس کا دل لقا کی خُدائی، افراسیاب کی اطاعت اور جادُوگری کے اِس کاروبار سے پھر گیا۔ اس نے کہا۔ "آج کی رات اور کل کا دِن آپ صبر کریں۔ کل رات میں طلِسمی قید خانے تک آپ کو پہنچانے کی فکر کروں گی۔ آج سے میں آپ کے ساتھی ہوں۔"

اس گفتگو کے بعد ناہید نے اسد کو ایک تہ خانے میں چھُپا دیا۔ پھر ایک بے دین کو پکڑ کر اُس کی صُورت اسد جیسی بنائی اور اُسے لا کر اپنے باغ کے صحن میں ایک درخت سے باندھ دیا اور کنیزوں کو حکم دیا کہ اس جوان کو جتنی زیادہ سے زیادہ اذیّت پہنچا سکو پہنچاؤ۔

اس پر کسی نے اس کے جسم پر زخم لگائے تو کوئی اُن زخموں پر نمک چھڑکنے لگی۔ توسن عُمرو کو چھوڑ کر واپس آیا تو یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

دوسری صُبح نقلی اسد کا سر کاٹ کر ناہید خُود باپ کے پاس پہنچی اور سر اُسے

پیش کرتے ہوئے بولی۔ ”میں نے آپ کے گناہگار کا کام تمام کر دیا۔ سر جلدی سے لے جا کر افراسیاب کو پہنچایئے۔“ توسن سر کو لے کر چلنے لگا تو وہ اُسے روکتے ہوئے بولی۔ ”ابّا جان، میں نے سُنا ہے کہ عُمرو جسے آپ طلِسمی قید خانے میں بند کر چُکے ہیں بلا کا عیّار ہے۔ ڈرتی ہوں کہ وہ یا اُس کا کوئی شاگرد آپ کی غیر حاضری میں یہاں پہنچ کر قید خانے کو نہ برباد کر دے۔ کیوں نہ میں آپ کے واپس آنے تک قید خانے کی چوکسی کروں۔“ توسن نے کہا۔ ”میرے علاوہ قید خانے تک دُنیا کا کوئی دوسرا آدمی نہیں جا سکتا۔ دوسرا راستہ سُرنگ کا ہے جس کا دروازہ میرے تخت کے نیچے ہے۔ مجھے تُم پر پُورا بھروسا ہے۔ یہ اس کی چابی ہے۔ لے لو۔ جی چاہے تو سرنگ کے راستے سے جا کر قید خانے کی نگرانی کر سکتی ہو۔ ویسے قید خانے کے قریب ایک نامور سردار ستّر ہزار جادُوگروں کی فوج کے ساتھ حفاظت پر مامور ہے۔“

ناہید نے چابی توسن سے لے لی اور توسن نقلی اسد کا سر لے کر اُڑتا ہوا افراسیاب کی طرف روانہ ہو گیا۔

اسی وقت طلِسمی قید خانے میں عُمرو کو ہوش آیا۔ آنکھ کھول کر اس نے جو اِدھر اُدھر دیکھا تو خود کو ایک درخت میں لٹکے آہنی پنجرے میں بند پایا۔ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور آنکھیں مل مل کر ہر طرف نظر دوڑانے لگا۔ اِرد گرد عجیب طرح کے درختوں کا باغ تھا۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ کہ اس کے برابر ہی دو اور بڑے بڑے آہنی پنجرے درخت سے لٹک رہے تھے۔ ایک پنجرے میں ایک عورت کے ساتھ ایک کڑیل جوان بند تھا دوسرے میں اُدھیڑ عُمر کا ایک مرد اور ایک خُوب صُورت خاتون تھی۔

ان سب کے لباس بوسیدہ اور میلے ہو چکے تھے۔ ہاتھوں پیروں کے ناخن حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ چہروں پر غم اور مایوسی کے بادل چھائے تھے۔ وہ گردنیں جھکائے خاموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

کچھ دیر تک عُمرو انتظار کرتا رہا لیکن بات کرنا تو الگ ان میں سے کِسی نے اس کی برف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا تو اس سے نہ رہا گیا۔ جوان جوڑے کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”آپ لوگ بہت اداس دکھائی دیتے ہیں۔ میں بھی آپ کی طرح قید ہوں۔ کیا آپ بتائیں گے کہ یہ کون سی

جگہ ہے؟ آپ لوگ کون ہیں اور کس سے یہاں قید ہیں؟"

عُمرو کی یہ بات سُن کر عورت چونکی اور اپنے برابر بیٹھے ہوئے جوان قیدی کو ٹھوکا دیتے ہوئے بولی۔ "صاحب! ایک نیا قیدی آیا ہے۔ ذرا اس سے بات تو کیجیے۔"

جوان قیدی آہ بھر کر بولا۔ "خدائے پاک تُجھ پہ رحم کرے۔ یہ جگہ طلِسمی قید خانہ کہلاتی ہے۔ شہنشاہ نیلم کے ایک ماتحت راجا توسن کے علاقے میں ہے۔ دونوں افراسیاب کے وفادار ہیں۔ یہ میری بیوی اور طلِسم ہوش رُبا کے سرحدی مُلک کی ملکہ شرارہ کی بیٹی شہزادی تصویر جادُو ہے۔ اور میں امیر حمزہ کا بدنصیب فرزند بدیع الزّماں ہوں۔ کئی برس سے ہم دونوں اِس پنجرے میں قید کی زندگی گزار رہے ہیں۔"

عُمرو تڑپ اُٹھا۔ "ارے بیٹا بدیع الزّماں تم! ہائے ہائے! اس قید نے تمھیں اتنا بدل دیا کہ میں بھی تمھیں نہ پہچان سکا۔ بیٹا، تُمھاری ہی تلاش میں تو ہم طلِسم ہوش رُبا میں آئے تھے۔"

اب جا کر بدیع الزّماں نے عُمرو کو پہچانا، چیخ مار کر بولا۔ "چچا جان آپ! آہ اگر

آپ ہماری طرح اس منحوس پنجرے میں قید نہ ہوتے تو رہائی کی کچھ اُمّید ہوتی مگر آپ کو بھی یہاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا ہوگا۔"

کچھ دیر دونوں ہچکیاں لے لے کر روتے رہے مگر پھر عُمرو نے خود کو سنبھال کر بدیع الزّماں کو اس وقت تک کے سارے حالات بتائے اور کہنے لگا۔ "شہزادے حوصلہ بُلند رکھو۔ افراسیاب کی تباہی مُقدّر ہو چکی ہے۔ جلد یا بدیر ہم یہاں سے رہائی پائیں گئے۔ طِلسم ہوش رُبا کی فتح شہزادہ اسد کے ہاتھوں ہو گی۔ لوح حاصل ہوتے ہی افراسیاب کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

بدیع الزّماں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "خُدا کرے جو آپ کہتے ہیں وہی ہو۔ لیکن یہ طِلسمی قید خانہ نا قابلِ تسخیر ہے۔ برابر والے پنجرے میں بند جوڑا بیس سال سے کے عرصے سے یہاں قید ہے۔ آج تک اس کا کوئی ہمدرد یہاں تک نہیں پہنچ سکا۔"

"مگر یہ تو بتاؤ، یہ ہیں کون؟" عُمرو نے پُوچھا۔

عُمرو اور بدیع الزّماں کی باتیں سُن کر اُدھیڑ عُمر جوڑا پہلے ہی اُن کی طرف مُتوجّہ ہو چکا تھا۔ عُمرو نے اُن کے بارے میں پوچھا تو اُدھیڑ عُمر شخص نے خود

ہی جواب دیا۔

"میرا نام لاچین ہے۔ شہنشاہ لاچین۔ اور یہ میری بیوی ملکہ بلقیس ہیں۔ افراسیاب ہمارا ملازم تھا۔ بیس سال پہلے اُس نے بغاوت کر کے مجھے تاج و تخت سے محروم کر دیا۔ جب سے میں اپنی بارہ ہزار وفادار فوج کے ساتھ یہاں قید ہوا اور وہ طلِسم ہوش رُبا کا مالک بنا پھرتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ تم امیر حمزہ کے دوست خواجہ عُمرو ہو؟"

"جی ہاں!" عُمرو نے کہا۔ "کیا آپ کو کچھ شک ہے؟"

"شک کی بات نہیں۔ پیش گوئی کا معاملہ ہے۔" لاچین نے کہا۔ "مجھے یاد پڑتا ہے بزرگوں کی کتاب میں لکھا تھا کہ عُمرو اور طلِسم کُشا شہزادہ اسد توسن کے ملک میں ایک ساتھ پہنچیں گے اور طلِسم کُشا ہی ہمیں اس قید سے چھُڑائے گا۔"

عُمرو کچھ دیر خاموشی سے سوچتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔ "ہو سکتا ہے طلِسم کُشا کو بھی میرے ساتھ ہی لایا گیا ہو۔ بہرحال اگر آپ کی پیشن گوئی صحیح ہے تو ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ بتایئے افراسیاب نے آپ کے

خلاف بغاوت کیوں کی اور آپ پر غلبہ کِس طرح پالیا؟"

شہنشاہ لاچین نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ اگر طلِسم کُشا کو تمہارے ساتھ لایا گیا ہے تو وہ آج ہی کل میں ہم تک پہنچ جائے گا۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ ہماری قید کی مدّت ختم ہوا چاہتی ہے۔"

یہاں تو ان لوگوں میں یہ باتیں ہوتی رہیں، وہاں ناہید اور اسد اپنی اپنی جگہ بے چینی کے ساتھ رات ہونے کا اِنتظار کرتے رہے، آخر کار جب سورج ڈوب گیا اور اندھیرا گہرا ہونے لگا تو ناہید نے اسد کو تہہ خانے سے نِکالا اور خوش خبری سُنائی "ابّا جان افراسیاب کے پاس گئے ہیں۔ میں نے ان سے قید خانے کی چابی بھی لے لی ہے اور وہاں پہنچنے کا راستہ بھی معلوم کر لیا ہے؟" اسد کا دل خوشی سے دمک اُٹھا مگر کچھ سوچتے ہوئے اس نے سوال کیا۔ "تمہارے والد اتنی جلدی واپس کیوں چلے گئے؟" اس کے جواب میں ناہید نے نقلی اسد کے قتل ہونے اور اس کا سر اپنے باپ کے حوالے کرنے کی سارہ بات اُسے بتا دی۔ شہزادے نے کہا۔ "یہ تم نے اپنے حق میں اچھا نہیں کیا۔ توسن کو جلد اصل حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ آکر بڑا

غضب ڈھائے گا۔"

ناہید نے جواب دیا۔ "اس کا اعتماد حاصِل کرنے اور یہاں سے ٹالنے کی اس کے سوا اور کوئی ترکیب نہ ہو سکتی تھی۔ اب مجھے اپنے انجام کی کوئی فکر نہیں۔"

"کیا تمہیں اندازہ ہے کہ قید خانہ یہاں سے کتنی دُور ہے؟" اسد نے ناہید کے ساتھ چلتے ہوئے سوال کیا۔

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔" اس نے جواب دیا۔ "آج میں پہلی بار وہاں جارہی ہوں۔ البتّہ میرا خیال ہے، وہ یہاں سے کافی دُور ہو گا؟"

ناہید نے روانہ ہونے سے پہلے ہی شہزادہ اسد کو اپنے محافظ کی وردی پہنا دی تھی۔ کئی صحن اور دالانوں سے گزرتے ہوئے دونوں اس بڑے ہال میں جا پہنچے جہاں توسن کا تخت رکھا ہوا تھا۔ ہال کی نگرانی کرنے والے پہرے داروں نے کوئی روک ٹوک نہ کی۔ توسن کا تخت بڑا وزنی تھا۔ چالیس طاقت ور آدمیوں کے بغیر اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوتا تھا لیکن شہزادہ اسد نے تنہا اُسے اپنی جگہ سے ہٹا دیا۔ نیچے تہہ خانہ سا نظر آیا۔ دونوں بے کھٹکے

اُس میں اُتر گئے۔ اس کے بعد ایک طویل سُرنگ تھی۔ دونوں دوڑتے ہوئے ساری رات اس سُرنگ میں سفر کرتے رہے۔ بالآخر صُبح صادق کے وقت اُنہیں تازہ ہوا کا پہلا جھونکا محسوس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اُوپر جاتی ہوئی پختہ سیڑھیوں کا ایک سلسلہ نظر آیا۔ سیڑھیاں طے کر کے جب وہ اُوپر پہنچے تو ایک جانب کھلے میدان میں سینکڑوں خیمے اور شامیانے دکھائی دیے اور دوسری جانب ایک باغ سا نظر آیا۔ باغ کا دروازہ بند تھا اور اس میں ایک بہت بڑا تالا لگا ہوا تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ ڈیرے یہاں کی حفاظت کرنے والی فوج کے ہیں اور باغ دراصل قید خانہ ہے۔

ایک قریبی درخت کی اوٹ میں ہو کر انہوں نے مُحافظوں کے خیموں کی آہٹ لی۔ ہر طرف سے خرّاٹوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ لپکتے ہوئے قید خانے کے دروازے پر جا پہنچے۔ ناہید نے چابی لگا کر تالا کھولا۔ دونوں پھُرتی کے ساتھ باغ کے اندر داخل ہو گئے۔ چند ہی لمحوں بعد وہ قیدیوں کے پنجروں کے سامنے تھے۔ شہنشاہ لاچین کی آنکھ کھُل چکی تھی۔ پراسرار سایوں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اُس نے عُمرو کو آواز دی۔ ”خواجہ جاگیے۔

دو آدمی دبے پاؤں ہماری طرف بڑھے چلے آرہے ہیں۔"

عُمرو ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ جیسے ہی اسد قریب پہنچا عُمرو نے خوش ہو کر شہزادہ بدیع الزّماں کو آواز دی۔ "بدیع الزّمان اُٹھو! تمہارے بھانجے صاحب آ پہنچے۔ شہنشاہ لاچین کی پیش گوئی صحیح ثابت ہو گئی۔"

اسد نے جو اپنے ماموں کا نام سُنا تو خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ ناہید کو عُمرو کا پنجرا کھولنے کا اشارہ کر کے وہ ان کی طرف بڑھا۔ شہزادہ بدیع الزّماں نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "بیٹا اسد، ہم سے پہلے تم شہنشاہ لاچین کو رہا کرو۔ طلِسم ہوش رُبا کا اصل مالک یہی ہے۔ تمہارے آنے کی خبر دے کر اِسی نے ہمارے دِلوں کو طاقت پہنچائی تھی۔"

اسد اور ناہید نے جلدی جلدی سب کو رہائی دلائی۔ ملکہ بلقیس اور لاچین نے اسد کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور درخواست کی کہ براہِ کرم اب ہمارے بارہ ہزار جان نثاروں کو بھی آزادی عنایت کیجیے۔ وہ سب اسی باغ کے قید خانے میں بند ہیں۔

عُمرو، اسد اور ناہید نے ان قیدیوں کو بھی آزاد کر دیا۔ سب نے لاچین اور

بلقیس کو مبارک باد دی۔ عُمرو، اسد اور ناہید کا شکریہ ادا کیا اور قسمیں کھائیں کہ افراسیاب سے گِن گِن کر بدلہ لیں گے۔

لاچین نے اسد اور عُمرو سے کہا۔ ”برسوں کی قید سے میں اور میرے ساتھی اپنی طاقت کھو بیٹھے ہیں اور جادُو بھی بھول گئے ہیں۔ کچھ دیر کے لیے اجازت دیجیے کہ ہم ایک گوشے میں جا کر اپنی حالت درست کر لیں۔ باغ کے باہر جادُوگروں کی ایک بڑی فوج ہمارا راستہ روکے گی۔ اس سے نپٹنے کے لیے تیّاری کرنا ضروری ہے۔“

عُمرو نے اجازت دے دی۔ کوئی دو گھنٹے کے بعد وہ پلٹے تو بالکل مختلف دکھائی دے رہے تھے۔ اب کسی کے چہرے پر اداسی اور کمزوری کی جھلک تھی نہ کسی کے حلیے اور لباس سے مظلومیت ظاہر ہو رہی تھی۔ سب چاق و چوبند اور صاف ستھرا لباس پہنے تھے۔ بدیع الزّماں اور تصویر جادُو کو بھی عُمرو نے اپنی زنبیل سے اعلیٰ قسم کے لباس اور زیورات نکال کر دیے۔ سُورج نکلتے نکلتے سب سج دھج کر آن بان کے ساتھ باغ سے باہر نکلے۔

قید خانے کی مُحافظ فوج حسبِ معمول پریڈ کر رہی تھی۔ شہنشاہ لاچین نے

عُمرو سے کہا۔ ''ہم اس فوج سے چھُپ کر بھی نکل سکتے ہیں لیکن بہتر ہو گا کہ اُنہیں مُقابلے کے لیے للکاریں۔ اس سے طرف میرے آزاد ہو جانے کی خبر مشہور ہو جائے گی۔ میں اِس ملک کا اصل مالک ہوں۔ عوام کا بڑا حصّہ میرا ہمدرد ہو جائے گا اور غدّاروں کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔''

اسد اور بدیع الزّماں نے اس کی تائید کی۔ عُمرو نے اجازت دے دی۔ لاچین نے اپنے وفادار بارہ ہزار کے لشکر کو اشارہ کیا۔ سب نے مل کر ''شہنشاہ لاچین کی جے!'' کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ مُحافظ فوج کے سردار نے یہ نعرہ سُنا تو اس نے جنگ کا حُکم دے دیا۔ گھُمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ لاچین اور اُس کے جاں نثار مدّت سے جیل کی سختیاں برداشت کرتے آئے تھے تاہم ان کا جوشِ انتقام اتنا بڑھا ہوا تھا کہ آزادی اور آرام کی زندگی گزارنے والے ان کے حملوں کی تاب نہ لا سکے۔ ستّر ہزار میں سے سات ہزار قتل یا زخمی ہوئے۔ باقی نے معافی مانگ کر اپنے دل سے لاچین کی اطاعت قبول کر لی۔ لاچین ان سب کو ساتھ لے کر راجا توسن کے قلعے کی طرف بڑھا۔ توسن کی بیوی اور ناہید کی ماں رانی بادبان یہ

خبر سُن کر ایک لاکھ کا لشکر لے کر مُقابلے پر آئی۔ اسے یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ یہ ساری کارستانی اُس کی بیٹی ناہید کی ہے۔ اس نے ناہید کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی مگر وہ لاچین اور عُمرو کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ آخر میں بادبان نے یہاں تک کہا کہ وہ میدانِ جنگ سے دور ہٹ جائے مگر ناہید نے جواب دیا۔ "اگر آپ میرے ساتھیوں سے جنگ کریں گی تو میں بھی آپ سے لڑوں گی۔" بس پھر کیا تھا۔ خوفناک لڑائی شروع ہو گئی۔

یہ لڑائی جاری تھی کہ راجا توسن بھی آ پہنچا۔ شہنشاہ پر نقلی اسد کے سر کی حقیقت کھُل چکی تھی۔ اس نے توسن کو راستے ہی سے واپس کر دیا تھا۔ توسن نے آتے ہی اپنے جادُو کی طاقت سے لاچین کی فوج میں تہلکہ مچا دیا۔ اسد اور بدیع الزّماں پر بعض کرامتی چیزوں کی وجہ سے جادُو اثر نہ کرتا تھا۔ ان میں سے ایک نے یلغار کر کے بادبان کو اور ایک نے راجا توسن کو زندہ گرفتار کر لیا۔ دونوں لاچین کے سامنے لائے گئے۔ لاچین اور ناہید نے انہیں کچھ اس طرح سمجھایا کہ وہ بھی افراسیاب کی مخالفت اور امیر حمزہ کی

اطاعت پر آمادہ ہو گئے۔ ان کے مطیع ہونے سے ان کی وفادار فوج بھی مُطیع ہو گئی اور لڑائی ختم ہو گئی۔ لاچین کے حکم پر اسد، بدیع الزّماں اور عُمرو کے اعزاز میں توسن اور بادبان نے شان دار دعوت کی۔

اس موقع پر توسن نے کہا۔ ”افراسیاب پر طِلسم کی لوح حاصل کیے بغیر فتح نہیں حاصل کی جا سکتی اور یہ بات میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کے افراسیاب نے لوح برفاب جادُو کے جسم میں چھپا دی ہے اور وہ قصرِ نیل میں چھُپا بیٹھا ہے۔ میری رائے میں ہمیں وہاں چل کر ہر قیمت پر لوح حاصل کرنی چاہیے۔“

عُمرو اور اسد نے یہ سُنا تو ان کی باچھیں کھِل گئیں۔ ایک زبردست فوج تیّار کر کے طِلسمی سواریوں پر اُڑتے ہوئے قصرِ نیل جا پہنچے۔ افراسیاب نے برفاب کی حفاظت کے لیے کئی لاکھ جادُوگروں کا لشکر تعینات کر رکھا تھا۔ لشکر نے جان لڑا دی لیکن آخر کار عُمرو برفاب کو قتل کر کے لوح حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ برفاب جادُو کی حفاظت کرنے والی فوج آدھی کے قریب ماری گئی۔ بہت سے بھاگ گئے اور باقی نے لاچین کے سامنے

ہتھیار ڈال دیے۔

دوسرے دِن لاچین نے عُمرو سے کہا۔ "خدائے واحد کے کرم اور آپ لوگوں کی حمایت سے اب میرے پاس کافی طاقت اکٹھی ہو چکی ہے لیکن نیلم کی طاقت کا خاتمہ کیے بغیر میرا طِلسم ہوش رُبا کی طرف جانا اور افراسیاب سے مقابلہ کرنا مناسب نہ ہو گا۔ اور نیلم سے مُقابلہ کرنے سے پہلے ابھی اس کے کئی علاقے فتح کرنا اور اپنی طاقت بڑھانا میرے لیے ضروری ہے۔ بہتر ہے کہ آپ لوگ یہاں سے سیدھے اپنی چھاؤنی میں جائیں تاکہ آپ کے ہمدردوں کی پریشانی دُور ہو میں بھی جلد سے جلد آپ تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

ماہیان اور آفات کی موت

عُمرو اور اسد کے غائب ہو جانے سے ان کے حامی سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے افراسیاب نے ان کا دن کا چین اور رات کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ کبھی اُس کا کوئی جادُو گر سردار ان پر آگ پتھّر کی بارش کرتا، کبھی اس کی فوجیں ان پر یلغار کر دیتیں۔

ایک دن افراسیاب کی فوج نے لڑائی کے دوران میں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مہ رُخ وغیرہ نے اس گھیرے کو توڑ کر پہاڑوں کی طرف نکل جانے کی جان توڑ کوشش کی مگر دُشمن جادُوگروں نے اُن کی ایک نہ چلنے دی۔ یہاں تک کہ مہ رُخ کی فوج کے حوصلے جواب دے گئے۔ بدحواس ہو کر وہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگی۔ افراسیاب کی فوجوں نے اُن کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ مہ رُخ کی فوج کی مکمّل تباہی میں اب دوست اور دُشمن کسی

کو شک نہ رہا تھا۔

اتفاقاً اسی موقع پر نُور افشاں، برہمن روئیں تن اور شہنشاہ کوکب وہاں آ پہنچے۔ ان کے ساتھ لاکھوں جادُوگروں کی ایک زبردست فوج تھی۔ ان لوگوں کے بروقت پہنچ جانے سے مہ رُخ کی فوج بچ گئی اور افراسیاب کی حملہ آور فوجوں کو زبردست نقصان اُٹھانا پڑا۔

افراسیاب نے نُور افشاں وغیرہ کے آنے کا حال اپنی نانی ملکہ ماہیان کو لکھ بھیجا۔ ساتھ ہی طلِسم ہوش رُبا کے تمام نامور نوّابوں، سرداروں اور ماتحت بادشاہوں کو احکام روانہ کر دیے کہ فوراً اپنی فوجوں کے ساتھ آ کر جنگ میں شریک ہوں۔

ملکہ ماہیان دوسرے ہی دن ایک بڑی فوج کے ساتھ آ پہنچی۔ نور افشاں کو اس کے آنے کی خبر ہوئی تو اس نے برہمن اور کوکب کو بُلا کر کہا۔ ”ماہیان غیر معمولی جادُوگرنی ہے۔ ہم اس کے حملوں کا توڑ تو کر سکتے ہیں مگر اُسے ہلاک نہیں کر سکتے اس لیے میں سامری کے مقبرے میں جاتا ہوں اور جان کی بازی لگا کر وہاں سے کوئی طلِسمی تحفہ لاتا ہوں۔ میرے آنے تک تم

لوگ صرف بچاؤ کی لڑائی لڑنا۔"

یہ کہہ کر نُور افشاں اُڑتا ہوا چلا گیا۔ کوکب اور برہمن نے مشورہ کر کے اپنی اور مہ رُخ کی فوجوں کو پانچ حصّوں میں تقسیم کیا۔ چار حصّے فوج کو پہاڑوں کے اندر جا کر ڈیرا لگانے کا حکم دیا اور پانچویں حصّے کو چھاؤنی میں اس طرح پھیلا دیا کہ دیکھنے والے کو لشکر میں کمی کا کوئی اندازہ نہ ہو سکے۔

دوسرے دِن مہ رُخ کو دونوں جانب کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئیں۔ ماہیان اپنی فوج سے باہر نِکل کر للکاری۔ "او بُڈھے نُور افشاں، برہمن اور کوکب کے لیے افراسیاب اور باغیوں کے لیے اس کے سردار ہی کافی تھے۔ میں صرف تیرے مُقابلے کے لیے آئی ہوں۔ حوصلہ ہے تو میرے سامنے آیا کسی کو اپنی طرف سے لڑنے بھیج۔"

اصلی نُور افشاں تو وہاں تھا نہیں، البتّہ نقلی نُور افشاں موجود تھا۔ اس نے جواب دیا۔ "او ماہیان، تو اپنے آپ کو چاہے جو سمجھے، میں تُجھے ہرگز اپنے برابر کا نہیں سمجھتا۔"

یہ کہہ کر نقلی نُور افشاں نے ایک جادُوگر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اپنا اژدھا

دوڑاتا ہوا ماہیان کے سامنے جا پہنچا اور ماہیان پر فولادی گولے برسانے لگا۔ وہ ہاتھ باندھے بالکل خاموش رہی۔ اوّل تو اس کا کوئی حربہ ماہیان کے جسم تک نہ پہنچنے پاتا۔ اس سے پہلے ہی دھواں بن کر اُڑ جاتا۔ لیکن جو حربہ اس کے جسم سے ٹکراتا، پھُول بن کر نیچے گِر پڑتا۔ یہ رنگ دیکھ کہ جادُوگر پریشان ہو گیا اور وار کرتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ ماہیان نے اس کا اِدارہ بھانپ کر اس کی طرف آہستہ سے چھُو کر دیا۔ بجلی کی طرح کے تڑپتے ہوئے چند شعلے اُس کے مُنہ سے نکلے اور آن واحد میں انہوں نے اس جادُوگر کو جلا کر راکھ کر دیا۔

نقلی نُور افشاں نے اس کے بعد کوئی دو سو کے قریب جادُوگر ایک کے بعد ایک ماہیان کے مُقابلے میں بھیجے۔ چند گھنٹوں کے اندر اندر اس نے ان سب کا صفایا کر دیا۔

یہ دیکھ کر نقلی نُور افشاں نے ہوا میں اپنا ہاتھ لہرایا۔ اس پر اس کی ساری فوج نے ماہیات پر ہلّا بول دیا۔ دوسری طرف سے برہمن، کوکب بُرّاں، اختر، مجلس، مہ رُخ، بہار اور مخمُور وغیرہ نے اُس پر اپنے جادُوئی حربے

برسانا شروع کر دیے۔

ماہیان کے ہاتھ میں ایک پتلی سی جادُوئی چھڑی تھی۔ خُود تو اس پر کسی ہتھیار کا کوئی اثر نہ ہوا تھا مگر جب وہ اس چھڑی کو گھُماتی ہوئی صفوں میں گھُس پڑتی تو تہلکہ مچا دیتی تھی۔ ایسی چنگاریاں اُس چھڑی سے نِکلتی تھیں کہ دُور دُور تک کے لوگوں کو بھسم کر وڈالتی تھیں۔ شام ہوتے ہوتے اس نے کئی ہزار آدمی مار ڈالے۔ اندھیرا ہونے پر دونوں لشکروں میں جنگ ملتوی کے نقّارے بجے اور ماہیان نشے کامیابی کے نشے میں جھومتی ہوئی واپس ہوئی۔

تین دن تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ دو ڈھائی سو جادُوگر دوپہر تک ایک ایک کر کے ماہیان کا مُقابلہ کرتے اور دوپہر سے شام تک وہ کوکب کی فوجوں کا قتلِ عام کرتی۔

چوتھے دن سہ پہر کے بعد جونہی وہ حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھی، برہمن سے ضبط نہ یو سکا۔ اس نے کوکب سے کہا۔ "استاد اب تک واپس نہیں آئے۔ اب مُجھ سے طعنے برداشت نہیں ہوتے۔ جا کر اس کا مُقابلہ

کرتا ہوں۔" کوکب نے اسے بہت روکا مگر وہ اُڑ کر ماہیان کے سامنے جا پہنچا۔ ماہیان نے غصّے میں آ کر اپنی چھڑی اُس کی طرف ہلائی۔ اِسی لمحے برہمن نے کچھ پڑھ کر تالی بجائی۔ ابر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا برہمن کے سر پر چھا گیا۔ چھڑی میں سے جو شعلے نِکل کر برہمن کی طرف لپکے، ابر سے گرنے والی پھوار انہیں ٹھنڈا کر دیتی۔ ماہیان عاجز آ گئی تو اس نے ایک مُٹھّی بھر کر مٹّی اُٹھائی اور ابر کو گھورتے ہوئے کوئی منتر پڑھنے لگی۔ برہمن نے بھی فوراً ماش کے دانے نکالے اور ماہیان کی چھڑی کو گھورتا ہوا وہ بھی کوئی منتر پڑھنے لگا۔ اچانک ماہیان نے مُٹھّی کی مٹّی ابر کی طرف اُچھال دی۔ اسی لمحے برہمن نے ماش کے دانے اس کی چھڑی پر کھینچ مارے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اِدھر برہمن کے سر پر چھایا ہوا ابر دُھواں بن کر غائب ہوا اور اُدھر ماہیان کی چھڑی راکھ کا ڈھیر ہو کر زمین پر بکھر گئی۔

اس کے بعد جادُوئی حربوں کے حملوں اور جوابی حملوں کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دونوں نے اپنا سارا زور صرف کر دیا۔ مگر ایک دوسرے کو

زخم نہ لگا سکے۔ شام ہونے کے قریب ماہیان برہمن سے بولی۔ ''معلوم ہوتا ہے نُور افشاں نے اپنے سارے منتر تجھے سکھا دیے ہیں۔ ہمّت ہو تو تلوار نِکال کہ آج فیصلہ ہو جائے۔''

برہمن نے جوش میں آکر تلوار کھینچ لی۔ اِدھر ماہیان نے بھی اپنی تیغ نِکال لی۔ پہلے تو اس نے آگے پیچھے دائیں بائیں لڑتے ہوئے برہمن کو اچھی طرح تھکا دیا اور اس کے بعد اس پر جچے تُلے بھرپور وار کرنے لگی۔ برہمن اس کو اپنی تلوار پر روکتا پر اکثر ماہیان کی تلوار پھسل کر اُس کے جسم پر لگتی۔ اس طرح کے کئی چرکے کھانے سے وہ لہولہان ہو گیا۔ اتنا خون بہنے لگا کہ کمزور ہوتا گیا اور آخرکار زیادہ خون بہہ جانے کے سبب چکرا کر گِر پڑا۔ ماہیان نے سینے پر سوار ہو کر اس کا سر کاٹ لیا۔ آناً فاناً گھُپ اندر دُور دُور تک چھا گیا۔ خُوف ناک آندھیاں چلنے لگیں۔ ہولناک چیخیں زمین اور آسمان کو دہلانے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد کچھ سکون ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ایک کڑکتی ہوئی مگر غمزدہ آواز گونجی۔ ''مُجھے ماہیان نے تلوار سے ہلاک کیا۔ میرا نام برہمن روئیں تن تھا۔''

یہ صدا سُنتے ہی افراسیاب کے لشکر میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے اور کوکب و مہ رُخ کی فوج میں رونے پیٹنے کی آوازیں بُلند ہونے لگیں۔

اسی رات نُور افشاں سامری کے مقبرے سے واپس آیا۔ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ ہاتھوں پیروں کی جان نِکل گئی تھی۔ آتے ہی اپنے خیمے کے فرش پر گر پڑا اور بُری طرح ہانپنے لگا۔ کوکب کو اِطّلاع ملی تو بھاگا ہوا آیا اُسے طرح طرح کی خوشبوئیں سنگھائیں۔ طاقت بخش طِلسمی معجون مُنہ کھول کر اس کی زبان پر لگائی۔

تھوڑی دیر بعد نُور افشاں کی حالت سنبھل گئی۔ کوکب نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو کمزور آواز میں اُس نے آہستگی سے کہا۔ ”جسم کا آدھے سے زیادہ خون دے کر میں یہ تحفے لے آیا ہوں۔“ دو چھوٹے چھوٹے تیر اور ایک سیندور لگا ہوا ناریل کوکب کے سامنے رکھتے ہوئے وہ بولا۔ ”یہ سامری کے ہتھیار ہیں۔ اُس کی لاش کے ساتھ اس کے تابوت کے اندر رکھے ہوئے تھے۔ دنیا کا کوئی جادُوگر ان ہتھیاروں کا توڑ نہیں کر سکتا لیکن یہ تیر بڑے خطرناک ہیں۔ صحیح نشانے پر نہ لگیں تو پلٹ کر چلانے والے کو

ہلاک کر دیتے ہیں۔ ناریل البتّہ نہیں پلٹتا۔" اتنا کہہ کر نُور افشاں خاموش ہو گیا اور کچھ دیر بعد چونک کر بولا:

"برہمن کہاں ہے اور تم ماتمی لباس کیوں پہنے ہو؟" جواب میں کوکب نے اُسے کُل واقعات تفصیل سے بتائے۔ برہمن کے مرنے کی خبر سُن کر نُور افشاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے کہا۔ "افسوس! اس کا وقت آ چُکا تھا۔ کاش وہ ماہیان سے تلوار کی لڑائی نہ لڑتا۔ بہرحال اب کل میں ماہیان سے اُس کا پورا پورا بدلہ لُوں گا۔"

دوسرے دن جونہی دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئیں۔ سامری کا ناریل جھولی میں رکھ کر نُور افشاں میدان میں نکلا۔ اُدھر سے ماہیان تنتناتی ہوئی اپنی فوج سے نِکل کر نُور افشاں کے سامنے آئی۔

نُور افشاں کو یقین تھا کہ سامری کا ناریل آناً فاناً ماہیان کو خاک و خون میں ملا دے گا لیکن وہ اسے قتل کرنے سے پہلے اپنی جادُوگری کی قوّت کا امتحان کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک لونگ پھونک کر ماہیان کی طرف پھینکی۔ لونگ

ہوا میں بُلند ہو کر آگ کا تِرسول (تین نوکوں والا) بن گئی۔ اس میں سے نکلنے والی چنگاریوں سے دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں تِرسول اور بھی بن گئے۔ لونگ والا تِرسول اپنی جگہ قائم رہا۔ باقی ترسول قطار در قطار بڑھ کر ماہیان کو نشانہ بنانے لگے۔ ماہیان نے پھُرتی کے ساتھ جھولی سے ایک کالا آئینہ نکالا اور اسے تِرسولوں کے سامنے چمکانے لگی۔ جس تِرسول پر اس آئینے کی چمک پڑتی، پھُول بن کر ماہیان پر نچھاور ہو جاتا۔ یہ دیکھ کر نُور افشاں نے اصل لونگ والے تِرسول کو اشارہ کیا۔ وہ تِرسول چکّر کھاتا ہوا خوف ناک سنسناہٹ پھیلاتا ماہیان کی طرف بڑھا۔ ماہیان نے اس کی طرف بھی آئینہ چمکایا۔ تِرسول کے چکّر کھانے کی رفتار سُست پڑنے لگی۔ دوسری طرف آئینے کا رنگ بھی زرد ہونے لگا اور اس کی سے سطح پر لکیریں سی پڑنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اِن دونوں جادُوئی ہتھیاروں کی قوّت ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش میں کمزور پڑتی جا رہی ہے۔ مگر پھر دھماکے کی بھیانک آواز کے ساتھ ماہیان کا کالا آئینہ چُور چُور ہو کر زمین پر گِر گیا اور تِرسول پہلے جیسی رفتار سے چکّر کھاتا ہوا ماہیان کی طرف بڑھنے

لگا۔

ماہیان بڑے غصّے کے ساتھ تِرسول کو گھُورنے لگی اور جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچا اُس نے ڈبکی لگا کر تِرسول کے دستے کو مُٹھّی میں جکڑ لیا۔ پوری گرفت میں آنے سے پہلے تِرسول نے جو چکّر کھائے اس سے ماہیان کی ہتھیلی اور انگلیوں کی کھال اُتر گئی مگر اُس نے اُف تک نہ کی۔ تِرسول قابو میں آ گیا تو اُس نے نُور افشاں کا نشانہ لیا اور نیزے کی طرح اُس پر کھینچ مارا۔ تِرسول پہلے کی طرح پھِرکی کھاتا نُور افشاں کی طرف چلا۔ نُور افشاں نے کچھ پڑھ کر تالی بجائی۔ کئی سو فولادی ڈھالیں اُس کے اور تِرسول کے بیچ میں حائل ہو گئیں۔ لیکن تِرسول کسی سے نہ رُکا۔ ڈھالوں کو پھاڑتا ہوا آگے ہی بڑھتا گیا۔ جب کسی جادُوگر کا حربہ خُود اسی کی طرف پلٹتا ہے تو اس کے خُون اور گوشت کی قربانی لیے بغیر نہیں رُکتا۔ مجبور ہو کر افشاں نے چاقو نِکال کر جلدی سے اپنے گال کی ایک بوٹی کاٹی اور منتر پڑھ کر تِرسول کی طرف اُچھال دی۔ جیسے ہی اس بوٹی کا گوشت اور خون تِرسول کو لگا، اس کے سرے سے دھواں نکلنے لگا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تِرسول

دھواں بن کر غائب ہو گیا۔

دو پہر تک اِسی طرح کے کتنے ہی حربے ان دونوں میں چلتے رہے۔ آخر میں نُور افشاں نے سامری کا ناریل نکالا اور نعرہ مار کر ماہیان پر کھینچ مارا۔ اس ناریل کو روکنے اور پلٹانے کے لیے ماہیان نے لاکھ جتن کیے۔ مگر وہ جادُو گروں کے خُدا سامری کا ناریل تھا۔ سیدھا جا کر ماہیان کے سینے پر پڑا۔ فوراً اُسے قے ہوئی۔ اور وہ تڑپے بغیر مر گئی۔

ماہیان کے مرنے پر جتنی تاریکی چھائی، جتنی زور کی آندھی چلی اور جتنی شدّت کا واویلا مچا ایسا کسی اور جادُوگر کے مرنے پر اب تک نہ ہوا تھا۔ بعد میں جب ہمزاد نے اُس کی موت کا اعلان کیا تو اس کی گونج طلِسم ہوش رُبا بلکہ طلِسم ظُلمات تک کے چپّے چپّے میں سُنی گئی۔

افراسیاب کی دادی ملکہ آفات طلِسم ظُلمات میں رہتی تھی۔ اس نے جو صدا سُنی تو جوشِ اِنتقام میں اُسی وقت اُڑتی ہوئی میدانِ جنگ کی طرف چل دی۔ اُدھر میدانِ جنگ سے تاریکی دُور ہوئی تو افراسیاب، حیرت اور ماہیان کی ساری فوج نے نُور افشاں پر یلغار کر دی۔ اگر نُور افشاں، کوکب،

بُرّاں، مہ رُخ اور بہار ایڑی چوٹی کا زور نہ لگا دیتے تو شکست فاش سے نہ بچ سکتے۔ آخر کار اندھیرا ہونے پر جنگ ملتوی کر کے دونوں طرف کے لشکر اپنی اپنی چھاؤنی کی طرف پلٹے۔

نُور افشاں اور کوکب کا خیال تھا کہ ماہیان کا سوگ منانے کے لیے افراسیاب کم از کم ہفتہ دو ہفتہ جنگ نہیں کرے گا۔ لیکن آدھی رات کے بعد رونے پیٹنے کی آوازوں کی بجائے افراسیاب کی چھاؤنی سے جنگی نقّاروں کی صدائیں گونجنے لگیں۔ فوراً جاسوسوں کو بھیجا گیا۔ وہ خبر لائے کہ افراسیاب کی دادی ملکہ آفات آئی ہے۔ اُسی کے حکم پر جنگ کے نقّارے بجائے جا رہے ہیں۔ وہ کل ماہیان کے خُون کا اِنتقام لینے کا عزم رکھتی ہے۔

جشن موقوف کر کے نُور افشاں، کوکب، بُرّاں، مہ جبین، مہ رُخ اور بہار وغیرہ آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ نُور افشاں نے کہا۔ ”آفات طلِسم ہوش رُبا کی بانی اور سب سے بڑی جادُوگرنی ہے۔ سامری کے تیر کے سوا اُسے دُنیا کا کوئی دوسرا ہتھیار ہلاک نہیں کر سکتا۔ وہ بھی اِس شرط پر کہ تیر ٹھیک اُس کی دونوں بھوؤں کے درمیان کے تِل پر پڑے۔“

”کاش آج برہمن موجود ہوتا۔“نُور افشاں نے کہا۔”سامری کا تیر چلانے اور صحیح نشانہ لینے کی اُس میں مجھ سے زیادہ طاقت تھی۔“

”خواہ عُمرو اور طلِسم کُشا کا بھی کُچھ پتا نہ چل سکا کہ کہاں اور کِس حال میں ہیں۔“کوکب بولا۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ خیمے کے باہر محافظوں میں بھگدڑ سی مچی اور اُن کا سردار گھبرایا ہوا اندر آیا۔ کہنے لگا۔”حضور! ایک تخت اُڑتا ہوا اِدھر آرہا ہے۔“ یہ سُنتے ہی سب لوگ گھبرا کر باہر آ گئے۔ لیکن جیسے ہی تخت زمین پر آیا، سب کے چہرے کِھل اُٹھے۔ آنے والوں میں دو مرد وہی تھے جن کو کچھ دیر پہلے یہ لوگ یاد کر رہے تھے، یعنی خواجہ عُمرو اور طلِسم کُشا۔ لیکن اُن کے ساتھ ایک مرد اور ایک عورت بھی تھی جنہیں وہ پہچان نہ سکے۔

عُمرو نے اپنے ساتھ آنے والے اجنبی جوڑے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”یہ ہیں طلِسم کُشا کے ماموں اور امیر حمزہ کے فرزند شہزادہ بدیع الزّماں ہیں۔ اور یہ ہیں طلِسم ہوش رُبا کی سرحد دار ملکہ شرارہ کی صاحب زادی اور بدیع الزّماں کی بیگم تصویر۔ افراسیاب نے اُنہیں کئی برسوں سے شہنشاہ نیلم

کے طِلسمی قید خانے میں بند کر رکھا تھا۔ وہاں طِلسم ہوش رُبا کا اصل حکمران شہنشاہ لاچین بھی قید تھا۔"

"اور اب لاچین کہاں ہے؟" نُور افشاں نے سوال کیا۔

"وہ اور اُس کی بیوی ملکہ بلقیس آزاد ہو چکے ہیں۔" عُمرو نے کہا۔ "وہ ہمارا وفادار ہے۔ اُس کی مدد سے ہم طِلسم کی لوح حاصل کر چُکے ہیں۔ وہ شہنشاہ نیلم کا ملک تیزی کے ساتھ فتح کرتا چلا جا رہا ہے۔ جلد ہی وہ طِلسم ہوش رُبا کا رُخ کرے گا اور راہ میں آنے والے سارے علاقے فتح کرتا ہوا ہم تک پہنچے گا۔" برہمن کی ہلاکت کی خبر سے عُمرو کو بڑا افسوس ہوا لیکن ماہیان کی موت پر غیر معمولی خُوشی بھی ہوئی۔

دوسرے دن دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آکر صف بستہ ہو گئیں۔ اچانک ملکہ آفات نے اِشارہ کیا۔ افراسیاب کے لشکر کے جنگی نقّارے گونجے لگے۔ جواب میں ملکہ مہ جبین نے بھی جنگلی نقّارے بجائے جانے کا حکم دیا۔

ملکہ آفات کچھ دیر اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑاتی رہی۔ پھر اُس نے اپنے ایک

غلام کو اشارہ کیا۔ وہ اپنی جگہ سے اُڑا اور ہوا میں قلابازیاں کھاتا ہوا دونوں لشکروں کے بیچوں بیچ جا کھڑا ہوا۔ غلام کے ہاتھ میں بھاری تیغہ تھا۔

مہ جبین کی اجازت سے ایک گرانڈیل جادُوگر سردار اس کے مُقابلے پہ آیا مگر غلام نے اُسے تھوڑی ہی دیر میں دو ٹکڑے کر دیا۔ اِسی طرح پے در پے اُس نے مہ جبین کے لشکر کے آٹھ سرداروں کو ہلاک کر دیا۔ آخر ملکہ بُرّاں کے غُلام نے جا کر آفات کے غلام کو قتل کیا۔ آفات نے ایک طِلسمی پُتلا بھیجا۔ اس نے بُرّاں کے غلام اور بعد میں آنے والے کتنے ہی مخالف جادُوگروں کو ہلاک کیا۔ سہ پہر تک اسی طرح کی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر میں ملکہ آفات خُود بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنا تخت اُڑاتے ہوئے میدان میں آئی۔ اُدھر سے مجلس جادُو اُڑتی ہوئی اُس کے مُقابلے پر جا پہنچی۔ آفات نے اُس گڑیا جیسی لڑکی کو دیکھا تو بہت ہنسی۔ اس نے اپنے جُوڑے میں سے ایک پھُول نکال کر مجلس کی طرف پھینکا۔ مجلس نے اس پھُول کو ٹالنے کے لیے بڑے جتن کیے مگر وہ سیدھا جا کر اس کی ناک پر لگا۔ جانے کیسی خُوش بو اس میں تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے مجلس آنکھ بند کر کے

زمین پر گِری اور بُری طرح تڑپنے لگی۔ آفات نے مُسکراتے ہوئے خنجر نِکالا اور آہستہ آہستہ مجلسی کی طرف بڑھنے لگی۔ یہ دیکھتے ہی نُور افشاں نے ایک طِلسمی پنجا بھیجا جو آن واحد میں مجلس کو اُٹھا لے گیا۔
مجلس کے بعد اختر، پھر بُرّاں، پھر بہار اور پھر مہ رُخ ایک ایک کر کے آفات کے مُقابلے پر گئیں مگر آفات نے ہر ایک پر فتح پائی لیکن جس کِسی کو بھی زخمی یا بے سُدھ کر کے ہلاک کرنا چاہتی، نُور افشاں پنجہ بھیج کر اُسے اُٹھو لیتا۔
آخر میں نُور افشاں اُس کے مقابلے کے لیے چلا۔ سامری کے تابوت سے لایا ہوا ایک تیر اُس نے اپنے ساتھ لیا، دوسرا کوکب کے حوالے کیا۔ دونوں لشکروں کے لوگ دھڑکتے ہوئے دل سے اُن دونوں کو دیکھنے لگے۔
نُور افشاں جس اِعتماد کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا اس سے آفات کو کچھ شک گُزرا۔ اس نے اپنے ایک بھوت کو حکم دیا۔ ”جلدی پتا لگا کر بتاؤ کہ نُور افشاں کے پاس سامری کا تیر تو نہیں ہے؟“ بھُوت نے نُور افشاں کے

ترکش کو سونگھا اور جواب دیا۔ ”سامری کا ایک تیر نُور افشاں کی ترکش میں موجود ہے۔“ آفات پہلے تو کچھ گھبرائی مگر پھر جلد ہی مُنہ پھیر کر اپنی بھنوؤں سے اُوپر پیشانی پر نقلی تِل بنایا اور بڑے اِطمینان کے ساتھ نُور افشاں کے قریب پہنچنے کا اِنتظار کرنے لگی۔

پہلے دونوں میں خاصی دیر تک جادُو منتر کے مُقابلے ہوتے رہے۔ کبھی آفات کا کوئی منتر نُور افشاں کو پریشانی میں ڈال دیتا اور کبھی نُور افشاں کا کوئی جادُو آفات کو مُصیبت میں مبتلا کر دیتا۔ آخر میں دونوں نے ایک دوسرے کو اپنے تیروں کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ نُور افشاں خُوش ہوا کہ وہ آفات کو سامری کے تیر کا آسانی سے شکار بنالے گا۔ چند دوسرے تیر چلانے کے بعد اُس نے سامری کا تیر نکال کر کمان میں جوڑا اور آفات کی پیشانی والے تِل پر تاک کر وار کر دیا۔ تیر خوفناک سنسناہٹ پیدا کرتا ہوا انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آفات کی طرف جھپٹا، لیکن جیسے ہی اس کی نوک نقلی تِل پر لگی، پھِسل کر ہوا میں گھوما اور پہلی سے زیادہ رفتار کے ساتھ نُور افشاں کی طرف پلٹ پڑا۔

نُور افشاں کا چہرہ زرد ہو گیا۔ بچاؤ کے لیے اُس نے سینکڑوں طلسمی ڈھالیں سامنے کر دیں، ہزاروں کی تعداد میں اس کے محافظ بھُوت اور تیر سے چمٹ گئے مگر وہ کسی کے روکے نہ رُکا۔ سیدھا جا کر نُور افشاں کی پیشانی پر لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے آر پار ہو گیا۔ یہ ساری کارروائی اتنی تیزی کے ساتھ عمل میں آئی کہ جب میدانِ جنگ میں اچانک گھنگھور اندھیرا چھا گیا، رونے پیٹنے کی فلک شگاف آوازیں آسمان پر بُلند ہوئیں اور قیامت خیز آندھیوں کے جھکّڑ چلنے لگے تو مہ جبین اور کوکب کے لشکر میں ہر ایک یہی سمجھا کہ یہ آفات کے ہلاک ہونے کی علامت ہے لیکن اس کی بجائے انہوں نے یہ اعلان سُنا "غلط نشانے کے سبب میں سامری کے تیر سے خُود ہلاک ہوا۔ میرا نام نُور افشاں جادُو تھا۔"

شہزادہ اسد نے جوشِ انتقام میں آگ ہو کر کوکب سے کہا۔ "اب اس ڈائن کے مُقابلے کے لیے میں جاتا ہوں۔ مگر یہ تو بتاؤ نُور افشاں جیسے تجربہ کار شخص نے غلط نشانہ کیسے لیا؟"

کوکب نے جواب دیا۔ "معلوم ہوتا ہے آفات نے دھوکا دینے کے لیے

چہرے پر نقلی تِل بنالیا تھا۔ سامری کے تیر کے علاوہ وہ ڈائن کِسی اور ہتھیار سے ہلاک نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ صحیح نشانے پر تیر مار سکیں تو میرے پاس ایک تیر باقی ہے۔"

"صحیح نشانہ کیا ہے؟" اسد نے پوچھا۔

"اس کی دونوں بھوؤں کے بیچوں بیچ ایک تِل ہے۔ وہی صحیح نشانہ ہے۔" کوکب نے کہا۔

آفات اب تک میدان میں موجود تھی اور کوکب وغیرہ کو للکار رہی تھی۔ اسد نے اُس کے قریب پہنچ کر نعرہ مارا۔ "میں امیر حمزہ کا نواسا اسد اور فاتح طلِسم ہوش رُبا ہوں۔ طلِسم کی لوح میرے قبضے میں ہے۔ تُو مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتی۔ سامری کا ایک تیر بھی میرے پاس ہے۔ تُجھے بھی ہلاک کروں گا اور افراسیاب کو بھی خاک میں ملاؤں گا۔"

افراسیاب نے یہ نعرہ سُنا تو پریشان ہو گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اسد تو شہنشاہ نیلم کے طلِسمی قید خانے میں بند ہو گا۔ بات یہ ہوئی کہ راجا توسن اور شہنشاہ لاچین نے نیلم اور افراسیاب کے ملکوں کی سرحد پر ایسے بھُوت اور طلِسمی

پُتلے مقرّر کر دیے تھے کہ نیلم کی جانب سے نج بھی کوئی قاصد افراسیاب کے پاس اسد اور لاچین کی رہائی کی خبر دینے کے لیے بھیجا جاتا، اُسے راستے میں ہلاک کر دیا جاتا۔

طلِسم کُشا کو مُقابلے پر دیکھ کر افراسیاب نے ایک جادُوئی رُقعہ آفات کے پاس بھیجا۔ لکھا تھا۔ ”جس قدر جلد ہو سکے آپ پیچھے ہٹ آئیں۔ طلِسم کُشا سے آپ کا مُقابلہ خطرناک ہو گا۔“

آفات نے جواب میں لکھا تھا۔ ”تم فکر نہ کرو۔ میں نے اپنے اصلی تِل کے اُوپر ایک نقلی تِل بنا رکھا ہے۔ نُور افشاں کی طرح وہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔“

اسد نے آفات سے کچھ فاصلے پر اپنا گھوڑا روکا اور کمان کو کاندھے سے اُتارا۔ آفات سمجھ گئی کہ وہ پہلا ہی وار سامری کے تیر کا کرنا چاہتا ہے۔ اس نے بڑی پھُرتی سے نقلی تِل کو اور گہرا کیا اور اصلی تِل پر پاؤڈر لگا کر اُسے اور بھی مدّھم کر دیا۔

اسد نقلی تِل کو تو محسوس کر سکتا تھا مگر اصلی تِل اُسے بالکل نہ دکھائی دیتا تھا۔

سامری کا تیر کمان میں جوڑ کر اُس نے نقلی تِل کا نشانہ لیا۔ نقلی اور اصلی تِل کے درمیان کم اس کم ایک اِنچ کا فاصلہ تھا۔ اسد جانتا تھا کہ وہ نقلی تِل کا نشانہ لے رہا ہے لیکن اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اصلی تِل دونوں بھوؤں کے ٹھیک بیچوں بیچ میں ہے۔

کچھ دیر نشانہ لینے کے بعد اُس نے یا علی کہہ کر تیر چھُوڑ دیا۔ یہ بات اسد کے سوا کوئی نہ محسوس کر سکا کہ تیر چھوڑتے وقت ہاتھ کے خفیف جھٹکے سے وہ اپنا نشانہ بدل چکا تھا۔ آفات جس طرح کھڑی تھی، چُپ چاپ کھڑی رہی۔

اور پھر اچانک جیسے آتش فشاں پھٹ پڑا۔ خوفناک گرج کی آوازیں آنے لگیں۔ آسمان پر آگ کا سمندر بہتا دِکھائی دینے لگا۔ ہولناک اور پُر شور طوفان زمین کا تختہ ہلانے لگا۔ گھنگھور اندھیرا ہر طرف پھیل گیا۔ رونے پیٹنے اور سسکیاں لینے کی آوازیں اُبھریں اور پھر تھم گئیں۔ کچھ سنّاٹا طاری ہونے پر کِسی نے اعلان کیا۔ ”افسوس! طلِسم کُشا نے مجھے سامری کے تیر سے ہلاک کیا۔ میرا نام آفات چہار دست تھا۔“

سب سمجھتے تھے کہ آفات کی ہلاکت سے مُشتعل ہو کر افراسیاب زبردست حملہ کرے گا مگر افراسیاب نے اپنے لوگوں کو حکم دیا۔ ”جنگ ملتوی کیے جانے کا طبل بجاؤ اور اِعلان کر دو کہ چالیس دن تک ملکہ آفات اور ملکہ ماہیان کا سوگ منایا جائے۔“

خاتمہ

آفات اور ماہیان کے کفن دفن کے بعد افراسیاب نے چالیس دن تک کے لیے ملک میں سوگ منائے جانے کے احکامات صادر کیے۔ اس کے بعد اُس نے اپنے لیے ایک خاص خیمہ ایستادہ کرایا اور جادُو منتر کی تمام کتابیں منگوا کر اُس میں رکھیں۔ یہ سب کچھ ہو گیا تو اس نے تنہائی میں حیرت سے کہا۔ "اب چالیس دن تک میں اِس خیمے سے باہر نہ نِکلوں گا۔ دِن رات عبادت میں گزاروں گا۔ اس عرصے میں تم روزانہ ماتحت بادشاہ اور سرداروں کو یہاں پہنچنے کی ہدایات جاری کرتی رہو اور اپنی عیّارنوں کو دُشمن کی چھاؤنی میں بھیجتی رہو کہ جس طرح بن پڑے طلِسم کُشا یا لوح کو اُڑا لائیں۔"

کوہِ عقیق کے محاذ پر امیر حمزہ کے مُقابلے میں لقا کی حمایت کے لیے

افراسیاب نے مدّت سے کوئی خاص توجّہ نہ دی تھی۔ خاص طور پر اُس وقت سے کہ جب پہلی بار طلِسم کی لوح اسد کے قبضے میں چلی گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس محاذ پر پے در پے شکستیں کھا کر لقا اپنے حامیوں سمیت تیزی سے چلتے ہوئے افراسیاب کے پاس پہنچنے کی جدوجہد کر رہا تھا اور امیر حمزہ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ آندھی طوفان کی طرح اس کا تعاقب کرتے ہوئے بڑے چلے آ رہے تھے۔ دوسری طرف لاچین نے زبردست قوّت حاصل کر کے شہنشاہ نیلم کا سارا ملک فتح کر لیا۔ نیلم کے پاس اب بھی زبردست فوج تھی مگر کامیابی کی صورت نہ دیکھ کر اس نے بھی افراسیاب کی چھاؤنی کا رُخ کیا۔ لاچین اُس کا پیچھا کرتے آگے بڑھا اور ملکہ مہ جبین کی چھاؤنی میں آ پہنچا۔

چالیس دن تک چِلّہ کھینچنے کے بعد افراسیاب رات کو ٹھیک اُسی وقت خیمے سے باہر آیا جِس وقت وہ اُس کے اندر داخل ہوا تھا۔ ملکہ حیرت دروازے پر موجود تھی۔ وہ اُسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ افراسیاب کی شان ہی نرالی تھی۔ آنکھیں تاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ چال

ڈھال میں ایسا بانکپن آ گیا تھا کہ دیکھنے والے پر دُور سے ہی ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کا چِلّہ کامیاب رہا۔ اس نے ملکہ حیرت سے پُوچھا۔

"اس عرصے میں فوج کی تعداد میں کتنا اضافہ ہوا ہے؟ ہماری عیّارن صرصر نے بھی کوئی کارنامہ سر انجام دیا کہ نہیں؟"

حیرت نے کہا۔ "حضور کے اقبال سے اس وقت ہماری فوج ساٹھ کوس تک پھیل گئی ہے۔ صرصر اور اس کی شاگرد عیّاریوں نے طلِسم کُشا اور لوح کو اُڑانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر عُمرو اور اُس کے شاگردوں نے اُن کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ آج شام کے وقت صرصر قسم کھا کر دُشمن کی چھاؤنی میں گئی ہے کہ خواہ کچھ ہو خالی ہاتھ واپس نہ آئے گی۔"

"لاچین کے بارے میں کیا خبریں ہیں؟ کوہِ عقیق کے محاذ کا کیا حال ہے؟" افراسیاب نے دوسرا سوال کیا۔

حیرت نے جواب دیا۔ "لاچین ایک زبردست فوج کے ساتھ کل ہی مہ جبین کی چھاؤنی میں پہنچا ہے۔ سُنا ہے اُس نے نیلم کا سارا ملک اور وہاں سے

لے کر یہاں تک ہماری مملکت کے سارے علاقے فتح کر لیے ہیں۔ اس سے شکستیں کھا کر نیلم چند ہی گھنٹے پہلے ہماری چھاؤنی کے قریب پہنچا اور اپنے اِستقبال کا اِنتظار کر رہا ہے۔ کوہِ عقیق کے محاذ پر سلیمان عنبریں ہلاک ہو چکا ہے۔ خداوند لقا شکست کھا کر ہماری طرف آ رہے ہیں اور امیر حمزہ اُن کا پیچھا کر رہا ہے۔"

یہ سُن کر افراسیاب کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ اُس نے کہا۔ "کوئی پروا نہیں۔ اب میں اِتنی طاقت رکھتا ہوں کہ لاچین، کوکب، حمزہ بلکہ ساری دنیا سے برسوں تنہا لڑ سکتا ہوں۔ اندیشہ صرف طلِسم کُشا سے ہے وہ بھی اس لیے کہ لوح اس کے پاس ہے۔ طلِسم کُشا پر بس نہیں چلا تو اس کے ساتھیوں اور حامیوں میں سے ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑوں گا۔"

اب خواجہ عُمرو کا حال سُنیے، اُنہیں یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ دوبارہ جنگ شروع ہونے سے پہلے پہلے عیّار نیں طلِسم کُشا کو اُڑا لے جانے کی پوری پوری کوشش کریں گی۔ چنانچہ وہ اپنے شاگردوں سمیت دن رات اپنی چھاؤنی کی چوکسی کرنے لگے۔ شہنشاہ لاچین کے آ جانے کے بعد انہوں نے پُوری ٹولی

کے ساتھ گشت کرنے کا طریقہ ختم کر دیا۔ اس کی بجائے برق فرنگی کو لاچین اور اُس کی بیوی ملکہ بلقیس کی حفاظت کے لیے، ضرغام کو شہنشاہ کوکب کی چوکسی کے لیے اور جاں سوز کو مہ رُخ کی دیکھ بھال کے لیے مقرّر کر دیا۔ خود ہر وقت شہزادہ اسد اور مہ جبین کی حفاظت کرنے لگے۔ رہ گیا مہتر قیران تو اس کر انہوں نے دُشمن کی چھاؤنی کی جاسوسی کرنے اور واپسی پر اپنی چھاؤنی کے گشت پر مامور کر دیا۔ اس حفاظتی انتظام کی وجہ سے صرصر اور اُس کی شاگرد عیّارنیں دُور ہی سے چکّر لگا کر واپس چلی جاتیں۔

جس وقت ملکہ حیرت نے اپنی بارگاہ میں پہنچ کر ہرکاروں کو حکم دیا کہ سرداروں اور بادشاہوں کو شہنشاہ نیلم کے استقبال کے لیے تیّار ہونے کو کہا جائے، اس وقت مہتر قیران وہاں موجود تھے۔ یہ خبر لے کہ وہ طرارے بھرتے ہوئے اپنی چھاؤنی میں آئے اور آ کر خواجہ عُمرو کو اِطّلاع دی۔ عُمرو نے کہا۔ ”اچھی خبر لائے۔ میں اس کے بارے میں سوچتا ہوں۔ تم ہوشیاری کے ساتھ اب اپنی چھاؤنی کا گشت شروع کر دو۔“

قیران کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد عُمرو نے سوچا کہ نیلم اور افراسیاب کا سب سے زیادہ راز دار دوست ہے۔ اس سے مل کر افراسیاب کوئی نیا منصوبہ بنائے گا۔ چل کر پتا کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ اُٹھا اور چاروں طرف غور سے دیکھنے لگا۔ محافظ سپاہی ہر طرف پہرا دے رہے تھے۔ اس کے باوجود عُمرو نے زنبیل سے اپنی شکل کا کاغذی پُتلا نکال کر خیمے کے دروازے پر بٹھا دیا اور چُپ چاپ چھاؤنی سے نِکل کر نیلم کی طرف چل پڑا۔

شہزادہ اسد کے خیمے کے سامنے محافظوں کے خیموں کی قطاریں تھیں۔ انہی میں سے ایک کے پیچھے صرصر عیّار چھُپی ہوئی تھی۔ عُمرو کو اپنی جگہ اپنا پُتلا رکھتے اور لشکر سے باہر جاتے اس نے اچھی طرح سے دیکھ لیا تھا۔ جیسے ہی عُمرو غائب ہوا صرصر عُمرو کا بھیس بنا کر اوٹ سے باہر نِکل آئی۔

اُدھر عُمرو نیلم کے پڑاؤ کے قریب پہنچا تو پیچھے بہت بڑا جلوس آتا دکھائی دیا۔ سمجھ گیا کہ کہ نیلم کا استقبال کرنے والے آرہے ہیں۔ جلدی جلدی اُس نے اپنا بھیس صرصر عیّارہ جیسا بنایا اور استقبال کرنے کے لیے آنے

والوں سے پہلے نیلم کے پڑاؤ میں جا پہنچا۔ نیلم اس وقت سرداروں کے جھُرمٹ میں بیٹھا اِستقبال کے لیے آنے والوں کا اِنتظار کر رہا تھا۔ صرصر نے ادب کے ساتھ اس سے کہا۔ ”حضُور، چالیس دن کے بعد شہنشاہ ابھی ابھی چِلّے سے باہر آئے ہیں۔ اس وقت غسل فرمارہے ہیں اسی وجہ سے وہ خُود آپ کے اِستقبال کو نہیں آ سکے۔ مجھے ایک خاص پیغام دے کر بھیجا ہے۔ تنہائی میں چلیے تو عرض کروں۔“

دونوں ایک علیحدہ خیمے میں چلے گئے۔ کچھ دیر بعد اِستقبال کرنے والے پڑاؤ میں آ گئے تو نیلم تنہا باہر آیا، سرداروں کے ساتھ اِستقبال کے لیے آنے والوں سے ملا۔ ایک راز دار نے اُس سے چپکے سے پوچھا۔ ”حضور، صرصر کہاں گئی؟“ نیلم نے مُسکرا کر جواب دیا۔ ”میاں عیّارنوں کے آنے اور جانے کا کیا پوچھتے ہو۔“

نیلم کا جلوس بڑی شان و شوکت کے ساتھ افراسیاب کی بارگاہ میں پہنچا۔ دوسرے سب لوگوں کو دربار کے شامیانے میں بیٹھنے کی ہدایت کی گئی اور نیلم کو افراسیاب نے اپنے خیمے میں بُلوا لیا۔

زیادہ دیر نہ گُزری تھی کہ ملکہ حیرت خیمے میں آ دھمکی۔ اس کے پیچھے عیّارہ صرصر پیٹھ پر ایک گٹھڑی لادے ہوئے تھی۔ حیرت نے افراسیاب کو سلام کرتے ہوئے کہا۔ ”حضور مُبارک ہو! صرصر نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، صرصر نے پیٹھ پر لادی ہوئی گٹھڑی افراسیاب کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ”عالی جاہ، ہی رہا طِلِسم کُشا۔“ یہ کہہ کر اُس نے گٹھڑی کھول دی۔ شہزادہ اسد بے ہوشی کی حالت میں سب کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

”اور عالی جاہ! یہ رہی طِلِسم کی لوح۔“ صرصر نے افراسیاب کے سامنے میز پر لوح کو رکھتے ہوئے کہا۔ پھر سلام کر کے باہر چلی گئی۔

افراسیاب نے نیلم سے کہا۔ ”دوست، یہ تمہارے قدموں کی برکت ہے۔ اب بہتر ہے کہ اپنے مبارک ہاتھوں سے تم ہی طِلِسم کُشا کا کام تمام کرو۔“

نیلم میز پر رکھی ہوئی روح کو اُٹھا کر غور سے دیکھ رہا تھا۔ افراسیاب نے اسد کو قتل کرنے کی فرمائش کی تو لوح ایک ہاتھ میں لے کر نیلم نے دوسرے ہاتھ سے تلوار کھینچ لی اور اسد کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”لوح میرے قبضے میں ہے۔ اب طِلِسم کُشا اور عام آدمی میں کوئی فرق نہیں۔ ہوش میں لا کر

اِسے ہلاک کروں گا۔"

یہ کہہ کر نیلم اسد کے قریب پہنچا اور تلوار کی نوک زور سے اُس کی ران میں چبھو دی۔ اِس تکلیف سے اسد کی بے ہوشی جاتی رہی، سسکی لے کر آنکھیں کھول دیں اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

نیلم نے اسد کو للکارتے ہوئے کہا۔ "مرنے کے لیے تیّار ہو جاؤ یہ دیکھو، طلِسم کی لوح بھی میں نے تم سے چھین لی ہے۔ میر نام شہنشاہ نیلم جادُو ہے۔"

اسد کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ اس نے جواب دیا۔ "آزاد ہوتا تو ابھی تیری زبان گُدّی سے کھینچ لیتا۔"

"اچھا تو لے۔" نیلم نے اس کے بند کاٹتے ہوئے کہا۔ "تیری بے بسی بھی دُور کیے دیتا ہوں۔"

اسد کے بند کھُلے تو تڑپ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ نیلم کے تلوار والے ہاتھ پر جھپٹا مارنا ہی چاہتا تھا کہ نیلم نے تلوار کی نوک اُس کے سینے پر رکھ دی۔ اسد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ جیسے ہی نیلم کی پیٹھ افراسیاب کی طرف ہوئی اس

نے اسد کو اپنی بائیں آنکھ کا تِل دکھاتے ہوئے لوح اس کو دے دی اور پلٹ کر افراسیاب سے مخاطب ہوا۔ "او احمق! منم عُمرو عیّار۔ میرا آنا تیرے لیے نہیں طلِسم کُشا کے لیے مُبارک ثابت ہوا۔"

افراسیاب تلوار کھینچ کھڑا ہو گیا مگر فوراً ہی اُسے احساس ہو گیا کہ لوح طلِسم کُشا کے قبضے میں ہے اور وہ آزاد ہے، تلوار کو میان میں رکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ تم جاسکتے ہو۔ حکم جاری کیے دیتا ہوں کہ تمہیں کوئی نہ روکے۔ لیکن اس بے ادبی کا میدانِ جنگ میں اِنتقام لُوں گا۔"

اُدھر نیلم اپنے خیمے میں بے ہوش پڑا تھا۔ اُسے ہوش آیا تو تنتناتا ہوا افراسیاب کے پاس پہنچا اور کہنے لگا "میری زبردست توہین ہوتی ہے۔ اجازت دیجیے کہ ابھی جا کر بدلے میں لاچین اور اس کی بیوی بلقیس کو اُٹھا لاؤں گا۔"

افراسیاب نے بہت رُوکا مگر وہ نہ مانا۔ اس نے زمین میں ڈبکی لگائی اور اندر ہی اندر لاچین کی آرام گاہ میں جا نِکلا۔ اس وقت دونوں میاں بیوی سو رہے تھے۔ نیلم نے قریب جا کر لاچین کے چہرے پر بے ہوشی کا غُبّارہ پھینکا۔

لاچین کو چھینک آئی اور پھر بے ہوش ہو گیا۔ چھینک کی آواز سے بلقیس کی آنکھ کھُل گئی۔ اس نے جو نیلم کو دیکھا تو شور مچا دیا۔ نیلم بھاگا۔ دروازہ پر عیّار اور پہرے دار اُس کا راستہ روکے کھڑے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ ہوا میں اُڑا تو بلقیس اس پر جھپٹ پڑی۔ اس کے اور بلقیس کے درمیان جادُو چلنے لگا۔ شور کی آواز سُن کر سب اس طرف آنے لگے۔ نیلم چاروں طرف سے گھِر گیا۔

کافی دیر تک جب نیلم نہ پلٹا اور دُشمن کی چھاؤنی میں ہنگامے کی صدا اُبلند ہوئی تو افراسیاب سے نہ رہا گیا۔ اُڑتا ہوا موقع پر پہنچ گیا۔ نیلم کو نرغے میں دیکھ کر اُس نے دُشمنوں پر حملہ کر دیا۔ اتنے میں شہزادہ اسد بھی آ پہنچا۔ دیکھتے ہی دیکھتے نقشہ بدل گیا۔ افراسیاب جان بچا کر اور زخمی ہو کر اُڑتا ہوا بھاگ نِکلا۔ نیلم مارا گیا۔

ابھی رات کی گھڑی باقی تھی۔ افراسیاب جادُو کی جھولی لے کر اس لق و دق میدان میں جا بیٹھا جو اس کی چھاؤنی کے بیچوں بیچ خالی چھوڑا گیا تھا۔ کچھ دیر خاموشی سے منتر کے بعد اس نے جھولی میں سے ماش کے دانے نکال نکال

کر میدان میں پھینکنا شروع کر دِیے۔ میدان میں ہر طرف دھواں سا پھیلنے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ دھواں آسمان کی طرف بُلند ہوتے ہوئے گہرا ہونے لگا۔ حتیٰ کہ دھوئیں کی گہری اور فلک بوس لاٹ کے سوا کچھ دِکھائی نہ دیتا تھا۔ آخر میں اس نے کوئی منتر پڑھ کر تالی بجائی۔ اک بار گی سارا دھواں غائب ہو گیا۔ اب دھوئیں کی لاٹ کی جگہ ایک سات منزلہ عظیم طلِسمی بُرج نِگاہوں کے سامنے تھا۔

اس دِن سے لے کر سترہ دِنوں تک صُبح شام دونوں طرف کی فوجوں میں گھمسان کی جنگ ہوا کرتی۔ جب بھی شہزادہ اسد یلغار کر کے افراسیاب کے قریب پہنچتا وہ اس جگہ سے اُڑ کر دوسری جگہ جا پہنچتا اور جب اُس کے حامیوں کی فوج مارا ماری کرتی ہوئی افراسیاب کی فتح میں تہلکہ ڈال دیتی، افراسیاب کی فوج پیچھے ہٹ کر طلِسمی گنبد کے سائے میں آ جاتی۔ پیچھا کرنے والے جونہی گنبد کی زد میں آتے لاتعداد جادُوئی ہتھیاروں کے علاوہ آگ پتھّر تیر اور نیزے اس بُری طرح اُن پر برستے کہ مجبوراً انہیں واپس ہونا پڑا۔ طلِسمی گُنبد کو تباہ کرنے کے لیے لاچین کوکب اور عُمرو نے

ہزار جتن کر ڈالے لیکن سوائے اس کے کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے کہ جب تک افراسیاب زندہ ہے گنبد قائم رہے گا۔

اٹھارویں دن لاچین، کوکب اور مہ رُخ وغیرہ نے عُمرو کے مشورے پر جنگ کے دوران اِس طرح پسپائی اختیار کی کہ افراسیاب سمجھا وہ واقعی شکست کھا رہے ہیں۔ وہ یلغار کرتا ہوا دھند آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ گُنبد سے کوسوں میل دُور ہو گیا۔ اب اسد، کوکب، لاچین اور مہ رُخ وغیرہ نے افراسیاب کو گھیرے میں لینا شروع کیا۔ بڑی دیر کے بعد افراسیاب اس چال کو سمجھ سکا۔ راستہ بنانے کے لیے اُس نے خوف ناک حملے شروع کر دیے۔ اسی حال میں ایک طرف زبردست غُبار اُٹھتا دکھائی دیا۔ غبار صاف ہوتے ہی ایک لاکھ کا لشکر نظر آیا۔ آگے آگے اس لشکر کے ایک تاج پوش گینڈے پر سوار تھا۔ قریب آتے ہی اُس نے نعرہ لگایا۔

"منم خداوند لقا باختری۔ اے گنہگار بندو، ہوشیار ہو جاؤ۔ میں اپنے دوستوں کی مدد کو آ پہنچا۔"

لقا کے آنے سے افراسیاب اور اس کے حامیوں کے حوصلے دس گُنا بڑھ

گئے۔ سر ہتھیلی پر رکھ کر انہوں نے حملے شروع کر دیے۔ اسی وقت ایک جانب سے پھر غُبار بُلند ہوا۔ غبار صاف ہوا تو کئی لاکھ کا ایک لشکر گھوڑوں پر سوار نظر آیا۔ سب سے آگے اشقر دیوزاد پر سوار ایک بہادُر تلوار ہاتھ میں لہراتے ہوئے نعرہ لگا رہا تھا۔ ”منم امیر حمزہ، صاحبِ قیران! اے لقا پرستو! ہوشیار ہو جاؤ۔ تمہارے خاتمے کے لیے آ پہنچا ہوں۔“

یہ نعرہ سُنتے ہی اسد کے حامیوں کے دِل شیر ہو گئے۔ افراسیاب نے اُڑ کر گنبد کی طرف جانا چاہا مگر ایک طرف سے لاچین اور دوسری طرف سے کوکب اس کی راہ میں حائل ہو گئے۔ مجبوراً زمین پر آ گیا۔ تین دن غضب کی جنگ ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ افراسیاب زخمی اور نڈھال ہو گیا۔ اسد نے اُسے بھاگنے یا اُڑنے کی مہلت نہ دی، خُدا کا نام لے کر نُور افشاں کی دی ہوئی طلِسمی تلوار کا ایسا بھرپور وار اس کے سر پر لگایا کہ آناً فاناً دو ٹکڑے ہو گیا۔ زبردست زلزلہ آیا۔ خوف ناک آندھیاں چلیں اور پھر کسی نے اعلان کیا۔ ”افسوس! مُجھے طلِسم کُشا نے ہلاک کیا۔ میرا نام افراسیاب جادُو تھا۔“

اس آواز کے ساتھ ہی ملکہ حیرت اُڑ کر نہ جانے کہاں چلی گئی۔ ایک طِلسمی پنجہ لقا کو اُٹھا لے گیا، طِلسمی گُنبد تباہ ہو گیا اور افراسیاب کے حامیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ طِلسم ہوش رُبا مکمّل طور پر فتح ہو گیا۔ لاچین کو کب اور کروڑوں باشند گانِ طِلسم ہوش رُبا و طِلسم نُور افشاں نے جادُو سے توبہ کی۔ عُمرو کے مشورے پر افراسیاب کی جگہ لاچین کو طِلسم ہوش رُبا کا بادشاہ مقرّر کیا گیا۔ کچھ دِنوں تک جشن منانے اور آپس میں دوستی کا معاہدہ کرنے کے بعد کو کب اپنے مُلک کو اور امیر حمزہ، اسد اور عُمرو وغیرہ اپنے ملک کو واپس ہو گئے۔

ختم شد